© rasailojaraid.com

شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے فارسی ترجمۂ قرآن

''فتح الرحمٰن بترجمۃ القرآن'' کی امتیازی خصوصیات

مصباح اللہ عبدالباقی

ترجمہ و تلخیص: محمد صادق اختر ندوی

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد الانبياء والمرسلين وعلىٰ آله واصحابه اجمعين۔

ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کرنا فکر کو منتقل کرنے اور دعوت کو عام کرنے کے اہم وسائل و ذرائع میں ہے۔ دوسری قوموں کی طرح مسلمانوں نے بھی خاص طور سے کلام پاک کے تعلق سے ان وسائل و ذرائع کو کامیاب اور مؤثر طور پر استعمال کیا ہے۔ زمانۂ قدیم سے ہی دنیا کی اکثر زبانوں میں کلام پاک کا ترجمہ ہوتا رہا ہے۔ اس کام میں مسلمانوں کے ساتھ ساتھ غیر مسلموں نے بھی حصہ لیا، اسی طرح اس کام میں کچھ کم پڑھے لکھے لوگوں نے بھی ان طریقوں کے مطابق حصہ لیا جن کو ماہر علمائے تفسیر نے وضع کیا ہے۔ اس کام کو انجام دینے کے بہت سے عوامل تھے۔ مسلمانوں نے قرآن کریم کا ترجمہ اس وجہ سے کیا کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی تبلیغ ان کے جسم و جان میں رچ بس گئی تھی اور کلامِ پاک ہی اس دعوت کی بنیاد ہے۔

ان پہلوؤں کو سامنے رکھ کر امامِ وقت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے قرآنِ کریم کا فارسی زبان میں ایک ایسا ترجمہ (فتح الرحمٰن بترجمۃ القرآن کے نام سے) کیا ہے، جو اس زبان کے اہم تراجم میں سے ہے اور فارسی زبان بولنے والوں میں کافی مقبول و مروج ہوا۔ اس مقالہ میں اس ترجمہ کا تجزیاتی مطالعہ اور اس کی اختیازی خصوصیات واضح کرنا مقصود ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فتح الرحمٰن کی تالیف کی تفصیلات اور اس کی خصوصیات بیان کرنے سے پہلے مؤلف گرامی کا مختصر سوانحی خاکہ پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

ان کا شجرۂ نسب یہ ذکر کیا جاتا ہے: احمد ابن عبدالرحیم ابن الشہید وجیہ الدین ابن معظم ابن منصور ابن احمد ابن محمود ابن قوام الدین (قاضی قادن کے لقب سے مشہور) ابن قاضی قاسم ابن القاضی کبیر (قاضی بدہ کے لقب سے مشہور) ابن عبدالملک ابن قطب الدین ابن کمال الدین ابن شمس الدین، ''شاہ ولی اللہ ابن عبدالرحیم دہلوی'' سے معروف و مشہور، ان کی سوانح کے مصادر و مراجع کے تعلق سے ایک دوسرے نام کا حوالہ ملتا ہے، وہ ''قطب الدین'' ہے[۱]۔ شاہ صاحب کا نسب حضرت عمرؓ تک پہنچتا ہے جس کا ذکر انھوں نے اپنی اکثر تصانیف میں کیا ہے اور یہ بھی واضح کیا ہے کہ ۳۲ واسطوں سے ان کا سلسلۂ نسب حضرت عمرؓ تک پہنچ جاتا ہے[۲]۔

تدریسی خدمات

شاہ صاحب کے والد محترم شیخ عبدالرحیم کا انتقال ۱۱۳۱ھ میں ہوا، جب کہ اس وقت شاہ صاحب ۱۷ برس کے تھے۔ عین نوجوانی ہی میں مدرسہ رحیمیہ میں ان کی تدریسی خدمات شروع ہوئیں جو مکمل بارہ برس تک جاری رہیں، اسی دوران آپ نے بے شمار کتابوں کا مطالعہ کیا۔ اس مطالعہ سے ان کے علم میں زبردست اضافہ ہوا، ان کا فہم و ادراک پختہ سے پختہ تر ہوگیا اور اس زمانے میں درپیش علمی منہج کے اشارات و رموز بھی ان کے سامنے واشگاف ہوئے۔ اس تعلق سے شاہ صاحب کا یہ کہنا ہے کہ: فقہ اور اصول فقہ میں مذاہب اربعہ کے فقہی کتابوں کے مطالعہ کرنے اور ان احادیث (جن کو سامنے رکھ کر فقہاء اور محدثین کے منہج کی بنیاد پر محدثین استدلال کرتے ہیں) میں غور و خوض کرنے کے بعد (نورِ غیبی کی مدد سے) دل کو بہت ہی زیادہ اطمینان نصیب ہوا[۳]۔ اس مطالعہ کے نتیجہ میں انھوں نے اس بات پر زور دیا کہ اصلاح و تجدید کی راہ میں فقہاء و محدثین کے ہی مسلک کو اختیار کیا جائے، نہ کہ علوم عقلیہ کے ماہرین کے طریقے کو اپنایا جائے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۱۴۳ھ کے آخر میں انھوں نے حج کا قصد کیا، فریضۂ حج کی ادائیگی کے بعد مدینہ منورہ کی زیارت کی۔ اسی دوران حرمین کے علماء سے علمِ حدیث حاصل کیا، شیخ ابوطاہر مدنی کے درس میں حاضر ہوتے رہے، صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ترمذی، سنن ابوداؤد، سنن ابن ماجہ، موطا امام مالک، مسند امام احمد، امام شافعی کی کتاب 'کتاب الرسالہ'، امام بخاری کی کتاب 'الادب المفرد'، قاضی عیاض کی کتاب 'الشفا فی حقوق المصطفیٰ' کا ان سے درس لیا[۸] اور حدیث پڑھانے کی اجازت بھی انھیں سے حاصل کی۔

دوسرے حج کی ادائیگی کے لیے ۱۱۴۴ھ میں انھوں نے ایک بار پھر مکہ کے لیے رختِ سفر باندھا، مکہ ہی میں شیخ وفد اللہ مالکی سے موطا امام مالک آپ نے پڑھی، شیخ تاج الدین قلعی کے درسِ صحیح بخاری میں بھی آپ شریک ہوتے رہے، حرمین شریفین کے دوسرے بہت سے مشائخ کے سامنے بھی شاہ صاحب نے تلمذ تہہ کیا۔ جیسا کہ شیخ حسن العجیمی، احمد النخلی، شیخ عبداللہ ابن سالم بصری، شیخ احمد ابن علی شناوی، شیخ احمد ابن محمد ابن یونس قشاقشی، سید عبدالرحمٰن ادریسی، شمس الدین محمد ابن علاء بابلی، شیخ عیسیٰ جعفری مغربی، محمد ابن محمد سلیمان مغربی، شیخ ابراہیم کردی اور ان کے علاوہ دوسرے شیوخ بھی ہیں۔[۹]

ماہِ رجب ۱۱۴۵ھ میں حرمین شریفین کے مشائخ سے استفادہ کرنے اور خاص طور سے حدیث شریف میں اختصاص کے حصول کے بعد شاہ صاحب ہندوستان واپس ہوئے اور آخرِ عمر تک علم حدیث کی اشاعت میں مکمل انہماک کے ساتھ مصروف رہے۔

نہایت وسیع علمی خدمات سے بھرپور زندگی گذارنے کے بعد محرم الحرام ۱۱۷۶ھ مطابق ۲۱/اگست ۱۷۶۲ء کو شاہ صاحب اپنے رفیق اعلیٰ سے جاملے۔ اس وقت ان کی عمر ۶۲ رسال کی تھی، دہلی ہی میں "مدرسہ رحیمیہ" کے قریب "مہندیان" قبرستان میں دفن کیے گئے۔

فتح الرحمٰن بترجمۃ القرآن

شاہ ولی اللہؒ نے اپنے ترجمۂ قرآن کی خصوصیات اس کے دیباچہ میں خود واضح کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں: کلام کی قدر و قیمت، اس کی خصوصیت و عمومیت اور دوسری چیزوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں عربی زبان کے مشابہ ہونے کی بنیاد پر فارسی زبان میں ان کا ترجمۂ قرآن مجید وہبی علوم سے تعلق رکھتا ہے۔ قرآنِ کریم کے اس ترجمہ کا نام ہم نے ''فتح الرحمٰن بترجمۃ القرآن'' رکھا۵، یہ ترجمہ دو جزء پر مشتمل ہے؛ پہلا جزء: ترجمہ، دوسرا جزء: اسبابِ نزول اور قرآنی قصوں کے تعلق سے مختصر تشریحات دی گئی ہیں جن کے بغیر ان کو سمجھا نہیں جا سکتا ہے۔ ترجمہ کے علاوہ اسی ضمن میں آیت کی بعض دوسری توجیہات بھی پیش کی گئی ہے۔ شاہ صاحب نے اس ترجمہ کو مختلف اوقات و زمانہ میں مکمل کیا ہے۔ ۱۱۴۳ھ میں فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے حجازِ مقدس جانے سے پہلے ترجمہ کرنا انھوں نے شروع کر دیا تھا لیکن یہ پھر سلسلہ کئی بار منقطع ہوا، آخر کار ۱۱۵۱ھ میں انھوں نے اس کو مکمل کیا۔۶

ترجمۂ قرآن کے اسباب و محرکات

شاہ صاحب نے اپنے ترجمہ کے دیباچہ میں قرآن مجید کے ترجمہ کے اسباب و محرکات کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ: ''مسلمانوں کی نصیحت و خیر خواہی کی شکلیں اور صورتیں مختلف ہیں اور زمان و مکان کے اختلاف کے اعتبار سے مختلف مناہج کا بھی وہ مطالبہ کرتی ہیں، اسی وجہ سے علماء دین اور مصنفین حضرات نے تفسیر و حدیث اور عقائد و فقہ کی کتابیں لکھنے میں مختلف مناہج اختیار کیے ہیں۔ نوع بنوع کی کتابیں ان لوگوں نے تالیف کیں۔ ممتاز علماء نے تفصیل کا طریقہ اختیار کیا، ان سے کم تر علماء و مصنفین نے ایجاز و اختصار کا طریقہ اپنایا، کچھ مصنفین نے عجمی زبانوں میں تالیف کا کام شروع کیا تو کچھ مصنفین نے اپنی تصنیف و تالیف کے لیے عربی زبان کو ہی اختیار کیا۔ جس ملک اور جس زمانہ میں ہم زندگی گذار رہے ہیں، اس میں مسلمانوں کی نصیحت و خیر خواہی کا تقاضا یہ ہے کہ آسان فارسی زبان میں جو عوام کے درمیان عام و رائج ہو اور جس میں کوئی تکلف بھی نہ ہو، نہ کسی فضیلت کا اظہار ہو، عبارت عام فہم، مناسب قصوں کو چھیڑے بغیر اور مختلف توجیہات کو پیش کیے بغیر کلامِ پاک کا ترجمہ کیا جائے، تا کہ عوام و خواص اور چھوٹا بڑا یکساں طور پر اس ترجمہ کو سمجھ سکیں۔ اس اہم کام کو انجام دینے کے لیے فقیر (یعنی شاہ ولی اللہ) کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قلب میں جذبہ پیدا ہوا اور وہ کسی نہ کسی طرح اس کام کو انجام دینے کے لیے تیار ہو گئے۔

تراجم کی چھان بین میں ایک زمانہ گذر گیا، اس سے مقصود یہ تھا کہ اعلیٰ معیار پر ترجمہ پیش کیا جائے۔ انھوں نے یہ طے کرلیا تھا کہ اسی معیار کا کوئی ایسا ترجمہ ہاتھ لگ جائے جس کی نشر و اشاعت کی کوشش کی جائے اور دستیاب وسائل کو اس میں استعمال کرنے کے لیے ان کے رفقاء دلچسپی لینے لگیں، مگر بات نہ بن سکی؛ کچھ تراجم کو تو انھوں نے بہت ہی طویل اور تھکا دینے والا پایا، تو کچھ کو انھوں نے ناقص اور مختصر پایا، اس معیار کے مطابق کوئی ایک ترجمہ بھی دستیاب نہ ہو سکا۔ ے

یہ طویل عبارت اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ ترجمۂ قرآن کریم کے تعلق سے شاہ صاحب کا ارادہ یہ تھا کہ ان کے زمانہ میں رائج آسان فارسی زبان میں قرآنی نصیحت عام کرنے اور اس کے پیغام کو پھیلانے کے لیے فارسی زبان میں کوئی ایسا ترجمۂ قرآن مل جائے جو اس مقصد کو پورا کر سکے۔ مذکورہ تراجم میں جب ان کا مطلب و مقصد پورا نہیں ہوا، تب انھوں نے اس عظیم کام کو انجام دینے کا تہیہ کرلیا۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں: اسی درمیان ''زہراوین'' (سوہ بقرہ و آل عمران) کے ترجمہ کا انھوں نے عزم مصمم کرلیا، یہاں تک کہ ترجمہ مکمل بھی ہو گیا۔ پھر حرمین شریفین کے سفر نے اس سلسلہ کو منقطع کر دیا، چند سالوں بعد میرے ایک عزیز حاضرِ خدمت ہوئے اور انھوں نے مجھ سے کلامِ پاک کا ترجمہ پڑھنا شروع کیا، پھر کیا تھا؟ اچانک پچھلا حوصلہ و جذبہ ابھر آیا، آخر کار یہ طے پایا کہ جتنا ترجمہ روزانہ پڑھایا جائے گا اسے لکھ بھی لیا جائے گا، قرآن کریم کے تہائی حصہ تک پہنچے ہی تھے کہ ان عزیز کو سفر درپیش ہو گیا، بالآخر یہ کام رک گیا۔ ایک عرصہ کے بعد ایک دوسرا حادثہ پیش آیا جس نے پچھلی یادداشتوں کو تازہ کر دیا اور ترجمہ کے تہائی حصہ پر ہمیں سوچنے کے لیے مجبور کر دیا۔ یہ طے کیا کہ کچھ دوستوں سے مسودہ کو صاف کرایا جائے اور قرآنِ مجید کے بقیہ حصہ کا ترجمہ بھی لکھا جائے، تا کہ یہ نسخہ پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے۔ بروز عید الاضحیٰ ۱۱۵۰ھ کو کچھ دوستوں نے نسخہ کو صاف کرنا شروع کر دیا۔ اس کام کے مکمل ہونے کے بعد پورے کلام پاک کا ترجمہ بھی چھپ کر تیار ہو گیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ترجمہ کا منہج بیان کرتے ہوئے شاہ صاحب لکھتے ہیں: ''یہ کتاب فنِ ترجمۂ قرآنِ کریم سے متعلق ہے، نحوی توجیہات کی رعایت کرتے ہوئے، تقدیم و تاخیر، مخفی عبارتوں کے اظہار کا پاس ولحاظ کرتے ہوئے اور الفاظِ قرآن کے ترجمہ کو فارسی الفاظ کی ترتیب میں تطبیق دیتے ہوئے فارسی زبان میں عربی الفاظ کے معانی و مفاہیم کی مکمل وضاحت کی گئی ہے، مگر کچھ جگہیں ایسی بھی ہیں، جہاں الفاظ کی ترتیب کا خیال رکھنے میں تعبیر میں ناموزونیت یا بھونڈا پن پیدا ہورہا تھا یا دو زبانوں کے مختلف ہونے کی وجہ سے الفاظ کے مطالب و مفاہیم میں پیچیدگی معلوم ہو رہی تھی، وہاں مذکورہ اصول کی پابندی نہیں کی گئی ہے۔ ہم نے اسبابِ نزول اور مشکلات کی توجیہات سے بقدرِ ضرورت ہی تعرض کیا ہے، کیونکہ یہ ترجمہ ان تمام امور میں ''تفسیر وجیز'' اور ''تفسیر جلالین'' کے مانند ہے، ان دونوں تفاسیر کی مشابہت حجۃ الاسلام امام غزالی کی اس تصدیق سے یہ پتہ چلا کہ امام غزالی فنِ تفسیر کی دنیا میں مختصر تفسیر کی مثالوں سے باخبر ہیں۔ ۸

ترجمہ کے اصلی مخاطب

شاہ صاحب نے یہ ترجمۂ قرآن مجید ان لوگوں کے لیے لکھا ہے جن کے پاس علوم آلیہ کے پڑھنے کے لیے نہ زیادہ وقت ہے اور نہ ہی فکر معاش علوم شرعیہ کے حصول کے لیے ان کو اجازت دیتی ہے۔ یہ حضرات ترجمہ کے ذریعہ قرآن کے مفاہیم کو کافی حد تک سمجھ سکتے ہیں۔ اس ترجمہ سے مکمل فائدہ اسی وقت ہوگا، جب کہ فارسی زبان بھی آتی ہو۔ قبل اس کے کہ کسی دوسرے فن کے حصول کی مشغولیت اس کے دل کے صاف و شفاف تختی کو پریشان کن فکر لاحق ہوکر آلودہ نہ کررہی ہو، نظمِ قرآنی اور فارسی زبان میں چند چھوٹی چھوٹی کتابوں کے پڑھنے کے بعد وہ آسانی سے فارسی زبان کے سمجھنے پر قادر ہوجائیں گے۔ تب کہیں جاکر اس ترجمہ کے پڑھنے کا مرحلہ شروع ہوتا ہے۔ اصحابِ حرفت اور فوجیوں کے بچوں سے علوم عربیہ کی معلومات کی توقع نہیں کی جاسکتی ہے۔ ان کے لیے ضروری ہے کہ عین ابتدائی عمر ہی میں اس کتاب کو پڑھنا سیکھ لیں۔ تاکہ ان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قلوب میں قرآن کی اہمیت اور اس کے معانی و مفاہیم اچھی طرح راسخ ہو جائیں۔ اس صورت میں فطرت صحیح سالم رہ سکتی ہے، ان ملحدین کے الحاد زدہ کلام و گفتگو سے یہ بچے محفوظ ہو جائیں گے، جنھوں نے اپنے افکار و نظریات کو صوفیہ کے صاف ستھرے اور ہدایت یافتہ افکار و نظریات سے گڈمڈ کر کے دنیا کو گمراہ کر رکھا ہے، غیر پختہ دانش مندوں کی افواہیں اور ہندوؤں کے پراگندہ محاورے اور مکالمے ان بچوں کے قلب و جگر کو آلودہ نہیں کر پائیں گے۔ شاہ صاحب کے بیان کے مطابق یہ ترجمۂ قرآن ہدایت یافتہ شخص کے لیے ہے، اسی طرح ان کے لیے بھی ہے جن کو آدھی عمر گذرنے کے بعد توبہ کی توفیق ملی ہے اور ان کے لیے بھی ہے جن کو علوم آلیہ کی تحصیل پر قدرت نہیں ہے، ان تمام قسم کے لوگوں کو یہ ترجمۂ قرآن ضرور پڑھنا چاہیے، تا کہ تلاوتِ قرآن میں ان کو لطف محسوس ہو، انشاء اللہ العظیم عام مسلمانوں کے حق میں اس کے نفع بخش ہونے کی امید ہے۔

جہاں تک پیشہ ور لوگ اور معاشی زندگی میں مشغول رہنے والوں کا معاملہ ہے تو ان کو چاہیے کہ فارغ اوقات میں اس کو سیکھیں۔ فارسی زبان جاننے والوں کے لیے علم تفسیر میں معلومات کا خزانہ ہے۔ فرصت کے اوقات کے مطابق ایک سورہ یا دو سورتیں وضاحت اور ٹھہراؤ کا خیال رکھتے ہوئے ترتیل میں کسی قاری سے پڑھے، تا کہ تمام لوگ اس کو سن کر خوشی محسوس کریں اور ان کی مشابہت اس کام میں صحابہؓ سے ہو جائے جو حلقہ بنا کر کلامِ پاک سیکھتے سکھاتے تھے۔ صحابۂ کرامؓ کو عربی زبان کا اعلیٰ ذوق حاصل تھا۔ عنقریب عربی نہ جاننے والے بھی فارسی ترجمہ کے ذریعہ کلام پاک کو سمجھنے لگیں گے۔ اپنے زمانے کے مسلمانوں کی قرآن کریم سے دوری کی صورتِ حال شاہ ولی اللہؒ اس طور پر بیان کرتے ہیں کہ: دوستوں کا حال یہ ہے کہ وہ اپنی مجلسوں میں مولانا جلال الدین رومی کی مثنوی، شیخ سعدی شیرازی کی گلستاں، شیخ فرید الدین عطار کی منطق الطیر، قصص الفارابی اور مولانا عبدالرحمٰن جامی کی نفحات الانس پڑھتے پڑھاتے ہیں۔ تو کیا ان کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اس ترجمۂ قرآن کو پڑھیں؟ جیسا کہ وہ مذکورہ کتابوں کو پڑھتے ہیں، ممکن ہے ترجمۂ قرآن پڑھنے اور سمجھنے کے لیے ان کے قلوب تیار ہو جائیں۔ مذکورہ کتابوں کو صرف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس لیے پڑھا جاتا ہے کہ وہ سب اولیاء اللہ کی کتابیں ہیں، تو ترجمہٴ قرآن کو اللہ تعالیٰ کا کلام سمجھ کر کہیں زیادہ پڑھنا چاہیے۔ ان کتابوں میں حکماء کی نصیحتیں ہیں تو کلام پاک میں احکم الحاکمین کی نصیحتیں ہیں۔ وہ اعزہ کے خطوط ہیں اور یہ اللہ رب العزت کی کتاب ہے، دونوں کے مرتبہ میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔

۱ مزید شاہ صاحب رقم طراز ہیں کہ ''انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ نزولِ قرآن مجید کا مقصد اصلی اس کے مواعظ و نصائح سے نصیحت حاصل کرنا ہے اور اس کی ہدایت سے ہدایت پانا ہے۔ صرف اس کے تلفظ کو درست کرنا اور درجہٴ کمال کے ساتھ اس کی عمدہ تلاوت کرنا، اس کا حقیقی مقصد نہیں ہے۔ اگرچہ تلفظ کی عمدہ ادائیگی اور اس کی خوش کن تلاوت ایک بہت بڑی نعمت ہے اور یہ نیک عمل ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ یہ کونسی کامیابی ہے جس کو انسان نے حاصل کیا ہے، جب کہ وہ قرآن کے معانی و مفاہیم کو نہیں سمجھ رہا ہے، یہ کیسی حلاوت اسے ملی ہے، جب کہ اس کو کلامِ پاک کی حلاوت اور چاشنی کا ادراک ہی نہیں ہے''۔

شاہ صاحب نے اس ترجمہ کے لیے ایک خاص منہج اختیار کیا، جس کی وضاحت انھوں نے ''مقدمہٴ فتح الرحمٰن بترجمۃ القرآن'' میں کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ''میرا منہج یہ ہے کہ کلامِ پاک کی ہر ایک آیت کو مکمل لکھنے کے بعد ان کا ترجمہ لکھا جاتا ہے۔ ترجمہ میں میں نے معروف ومشہور زبان استعمال کیا ہے۱۰۔ جتنے کلامِ پاک کے الفاظ ہیں، تقریباً اتنا ہی ترجمہ کے بھی الفاظ ہیں، اگر کہیں ایک دو الفاظ کا اضافہ ہوا ہے تو ان کو یعنی یا اس جیسے کسی دوسرے لفظ کے ذریعہ بیان کر دیا گیا ہے۔ جب بھی کوئی اضافہ کیا جاتا ہے، تو اس سے

۲ پہلے ایک ایسا مناسب جملہ لایا جاتا ہے جس کے ذریعہ اصل اور اضافہ میں تمیز پیدا ہو جاتی ہے۔ شروع میں ''یقول المترجم'' اور اخیر میں ''واللہ اعلم'' کا اضافہ کیا جاتا ہے۱۱۔ وہ مزید لکھتے ہیں: ''میں نے سیاق وسباقِ آیت کو لازمی امر کے طور پر مانا ہے''۱۲۔ تفسیر کے لیے میں نے محدثین کی تفسیری روایات کا سہارا لیا ہے، جیسے بخاری، ترمذی اور حاکم نے اپنی اپنی کتابوں میں تفسیری روایات کو بیان کیا ہے۔ یہ ممکن حد تک ضعیف اور موضوع احادیث

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے بچنے کی کوشش کی ہے، اسرائیلی روایات کے ذکر کرنے سے بھی میں نے مکمل احتراز کیا ہے، مگر جہاں حدیثِ صحیح دستیاب نہیں ہے۔ "الضرورات تبیح المحظورات" کے تحت اسرائیلی روایات کا وہاں سہارا لیا گیا ہے اس لیے کہ اس کے بغیر آیت کی تفسیر وتشریح ممکن نہ تھی"۔

شاہ صاحب کے ترجمہ کے امتیازات

فارسی زبان میں شاہ صاحب کا یہ ترجمہ چند وجوہ سے دوسرے تراجم سے ممتاز ہے۔ یہ امتیازات وخصوصیات بہت زیادہ ہیں، مگر شاہ صاحب نے اپنے مقدمہ میں چند ہی کا ذکر کیا ہے جو درج ذیل ہیں:

۱۔ انھوں نے معانی و مفاہیم، مقاصد و مطالب، عمدہ اور دلچسپ و پرکشش تعبیر کا خیال رکھتے ہوئے نظمِ قرآن کا ترجمہ اسی کے بقدر فارسی زبان کے معروف ومشہور الفاظ سے کیا ہے۔ حتی المقدور ان تمام چیزوں سے انھوں نے بچنے کی کوشش کی ہے جو عام طور سے دوسرے تراجم میں پائی جاتی ہیں، مثلاً: ترجمہ میں اختصار کا پایا جانا، جملوں کا آپس میں گنجلک ہونا، مطالب و مقاصد کا واضح نہ ہونا۔

۲۔ سابقہ تراجم دو حالتوں سے خالی نہیں ہیں؛ پہلا: کلامِ پاک سے متعلق قصوں کو بالکل چھوڑ دیا گیا ہے، دوسرا: تمام قصۂ قرآن کو مکمل طور پر بیان کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔ اس ترجمہ میں دونوں صورتوں میں بیچ کی راہ اختیار کی گئی ہے۔ کلامِ پاک کی وہ آیت جس کا سمجھنا اس کے متعلق قصہ پر مختصر ہے تو وہاں بقدر ضرورت مختصر طور پر متعلقہ قصہ کو ذکر کیا گیا ہے، جہاں آیت کا مفہوم قصہ کو بیان کیے بغیر واضح ہو جا رہا ہے، وہاں قصہ کو بالکل ذکر نہیں کیا گیا ہے۔

۳۔ اس ترجمہ میں عربی قواعد کے اعتبار سے سب سے قوی توجیہ کو اختیار کیا گیا ہے اور حدیث وفقہ کی روشنی میں سب سے صحیح قول کو منتخب کیا گیا ہے۔ پوشیدہ عبارت اور پیچیدہ تاویل سے احتراز کا اہتمام کیا گیا ہے۔ جس کسی نے بھی تفسیر جلالین وتفسیر وجیز کو پڑھا
© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے، وہ اس ترجمہ کے اصل کو بخوبی سمجھ سکتا ہے، ان باتوں کو قبول کرنے میں ان کو کسی طرح کی کوئی ہچکچاہٹ نہ ہوگی۔

۴- اس ترجمہ میں ایک ایسا طریقہ اختیار کیا گیا ہے جس کے ذریعہ علمِ نحو کے عالم کے لیے عبارتِ قرآن کے اعراب کو سمجھنا ممکن ہے اور عبارت کے پوشیدہ الفاظ کی تعیین بھی ممکن ہے۔ اس طریقہ کو سامنے رکھ کر ضمیر کے مرجع کا متعین کرنا اور عبارت کے مقدم و مؤخر الفاظ کی حدبندی کرنا بھی ممکن ہے۔ جو لوگ علم نحو سے واقف نہیں ہیں، ان کا بھی اس ترجمہ میں خیال رکھا گیا ہے، تاکہ وہ بھی اس ترجمہ کے اصل مقصد سے محروم نہ ہوں۔ الفاظِ قرآنی کے مطالب کو وہ بھی بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔

۵- قدیم تراجم دو شکلوں سے خالی نہیں ہیں: پہلی شکل یہ ہے کہ عام طور سے لفظی ترجمہ کیا گیا ہے۔ دوسری شکل یہ ہے کہ بامحاورہ ترجمہ کیا گیا ہے۔ ان دونوں اسالیبِ ترجمہ میں قسم قسم کی پریشانیاں سامنے آتی ہیں۔ یہ ترجمہ ان دونوں اسالیب کا جامع ہے۔ جہاں کہیں بھی اس ترجمہ میں کوئی پریشانی لاحق ہوئی ہے، تو ان جگہوں میں بھی سابقہ دونوں اسلوبوں سے بچنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ان توجیہات کی ضروری تفصیل رسالۂ قواعدِ ترجمہ میں میں نے بیان کردیا ہے[۱۳]۔

شاہ صاحب کے ترجمہ کا پسندیدہ اسلوب

تمام ماہر مترجمین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عمدہ اور کامیاب ترجمہ وہی ہے، جس میں اصل کی روح اور حلاوت باقی ہو۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ترجمۂ قرآن کریم میں الفاظ قرآنی کے تقدس کے لیے لفظ کے التزام کے پہلو سے شاہ صاحب کے نزدیک کیا کوئی خصوصیت ہے؟ یا یہ کہ مترجم کا کام یہ ہے کہ بغیر کلامِ پاک کے الفاظ کی پابندی کیے ہوئے قرآن کی روح کو ترجمہ میں منتقل کردے۔ کیا شاہ صاحب کے نزدیک ترجمۂ کلامِ پاک کا کوئی مخصوص اسلوب ہے یا کوئی دوسری تعبیر ہے؟ یا شاہ صاحب کے نزدیک کسی دوسری عبارت کے ترجمہ کے لیے کوئی رائج اسلوب ہے؟ جو ترجمۂ قرآن مجید کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیے زیادہ مناسب ہے۔ ان تمام سوالوں کا جواب یہ ہے کہ: شاہ صاحب کے یہاں ترجمۂ کلامِ پاک کے لیے ممکنہ چند اسالیب ہیں، لیکن وہ ان تمام اسالیب کا پہلے جائزہ لیتے ہیں، پھر ان میں سے ایک اسلوب کو اختیار کر لیتے ہیں۔ ترجمۂ کلام پاک کے یہ متعینہ اسالیب چار ہیں جن کی حکمتوں اور ترجمۂ قرآن میں ان کے بہت سے فوائد کو بیان کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔

پہلا اسلوب

پہلے اسلوب میں لفظی ترجمہ شامل ہے۔ اس اسلوب کے تحت مترجم ترتیبِ الفاظ قرآنی کے اعتبار سے تقدیم و تاخیر، مجازی و حقیقی معانی اور استعارات و کنایات (جو مترجم کی زبان میں موجود ہیں) کا خیال کیے بغیر اپنے الفاظ (جس میں وہ ترجمہ کرنا چاہتا ہے) بیان کر دیتا ہے۔ ترجمہ کے اس قسم میں ان کے نیچے اس کا ترجمہ لکھتے ہیں، اسی طرح وہ ہر ہر جملے کا ترجمہ کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ پورے کلامِ پاک کا ترجمہ مکمل ہو جاتا ہے۔ اس قسم کے ترجمہ کو ''لفظی ترجمہ'' یا ''تحت اللفظ'' ترجمہ کہا جاتا ہے[۱۴]۔ یہ ترجمہ (لفظی ترجمہ) نہ تو بہت زیادہ مفید ہے اور نہ ہی اس سے شریعت کا کوئی بڑا مقصد حل ہو پاتا ہے۔ حالانکہ یہ ترجمہ بھی فوائد سے خالی نہیں ہیں۔ اس کے دو فائدے درج ذیل ہیں:

پہلا فائدہ: اس طرح کے ترجمہ کو قرآن کا درجہ دیا جاتا ہے۔ یہ ترجمہ اس کے لیے مفید ہے جو عربی زبان اچھی طرح نہیں جانتا ہے۔ یہ سمجھا جائے کہ یہ لفظی ترجمہ ہی اس کے حق میں قرآن کے قائم مقام ہے، تو ایسا نہیں ہو سکتا ہے، کیونکہ تمام مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق و اجماع ہے کہ قرآن مجید اس معجزانہ عبارت کا نام ہے جو عربی زبان میں آنحضرت ﷺ پر نازل ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بہت سی آیتوں میں کلامِ پاک کا عربی زبان میں ہونا بیان فرمایا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے: وَإِنَّهُ لَتَنزِيلُ رَبِّ الْعٰلَمِينَ. نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ. عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ. بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ ۔ (الشعراء/۱۹۲-۱۹۵) (بے شک وہ پروردگار عالم کا اتارا ہوا کلام ہے۔ روح الامین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے اس کلام کو تیرے قلب پر نازل کیا تا کہ تو ضلالت وفساد کے نتائج سے دنیا کو ڈرانے والوں میں سے ہو۔ یہ کلام نہایت کھلا ہوا اور واضح عربی زبان میں نازل ہوا ہے)۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کے بارے میں کہیں "قرآناً عربیاً" (یوسف/۲)، کہیں "حکماً عربیاً" (الرعد/۳۷) اور کہیں "لساناً عربیاً" (الاحقاف/۱۲) فرمایا ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ قرآن الفاظ ومعانی کا نام ہے، صرف معانی کو قرآن نہیں کہا جاسکتا ہے، کیونکہ اللہ عزوجل نے قرآن کے الفاظ ومعانی کے ذریعہ عرب کو چیلنج کیا، اگر ہم صرف تنہا معانی قرآنی کو ہی قرآن سمجھ لیں تو قرآن کے اعجاز وچیلنج کا باطل ہونا لازم آئے گا۔

امام نوویؒ کی رائے میں تمام مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ ترجمۂ قرآن قرآن نہیں ہے۔ اس بدیہی امر کے لیے دلیل پیش کرنا کوئی ضروری نہیں ہے۔ کوئی شخص اس بات کا مخالف نہیں ہے کہ جو شخص ہندوستانی زبان میں قرآن کے معانی بیان کرتا ہے تو وہ ہندوستانی زبان بھی قرآن نہیں ہے۔ اس کی مخالفت ہٹ دھرم اور بے وقوف ہی کر سکتا ہے۔ تو قرآن کی تفسیر قرآن کیسے ہوسکتا ہے؟۔[۱۵]

ترجمہ کا دوسرا مقصد

ترجمہ کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ الفاظِ قرآنی کے مفہوم کو مترجم اپنی زبان میں نقل کر دیتا ہے، اسی طرح یہ مقصد لفظی ترجمہ یا تحت اللفظ ترجمہ سے حاصل نہیں ہوسکتا ہے، کیونکہ ہر زبان میں تقدیم وتاخیر، استعارات وکنایات اور مجازات وغیرہ بالکل مختلف ہوتے ہیں۔ جس زبان سے ترجمہ کیا جارہا ہے، اس کے ہر لفظ کے بدلہ جس زبان میں ترجمہ کیا جارہا ہے، اس کا ایک لفظ استعمال کیا جائے تو لغات کے درمیان اس اختلاف کی وجہ سے جس کی طرف اشارہ کیا جاچکا ہے مفہوم مکمل طور پر غیر واضح ہوجائے گا۔ اس تعلق سے شاہ صاحب کے اس بیان پر غور وفکر کرنا چاہیے: اکثر وبیشتر پہلے اسلوب میں خلل واقع ہوتا ہے، کیونکہ اس میں ترجمہ کی سلاست باقی نہیں رہتی ہے، جس زبان میں ترجمہ کیا گیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے، اس کی وجہ سے اس میں غلط تراکیب ظاہر ہوتی ہیں۔ اسی طرح غیر مانوس الفاظ، پیچیدہ تعبیر اور شاذ و نادر کا بھی استعمال ہوتا رہتا ہے[۱۶]۔ اس کا سبب یہ ہے کہ زبانوں کے اجزاء کلام کا کچھ حصہ مقدم اور کچھ حصہ مؤخر ہوتا ہے۔ ایک دوسرا سبب یہ ہے کہ الفاظ، کنایات اور صلات کے استعمال میں بھی زبانیں بالکل مختلف ہوتی ہیں، ان کا یہ بھی خیال ہے کہ کچھ زبانوں میں ظاہر کو لازم سے بدلنا بھی جائز ہے۔ معانی کو بطور مفہوم استعارہ سے بیان کرنا درست ہے، جب کہ دوسری زبانوں میں اصلاً یہ درست نہیں ہے۔ اس کی مثال عربی زبان کے ایک محاورہ سے پیش کی جا سکتی ہے: "فلان عظیم الرماد"، لفظی ترجمے یا تحت اللفظ ترجمہ کر دیا جائے تو اس محاورہ کا وہ مفہوم حاصل نہیں ہوگا جو مفہوم اس محاورہ میں پوشیدہ ہے۔ کیونکہ مذکورہ عبارت کے مفہوم کو فارسی زبان میں استعارہ کے ذریعہ نہیں بیان کیا جا سکتا ہے۔ عربی زبان کی جو خصوصیات و امتیازات ہیں وہ فارسی زبان کی نہیں ہیں، نہ ہی فارسی زبان میں کوئی ایسی تعبیر پائی جاتی ہے جو عربی زبان کی خصوصیات کے ساتھ اس کے معنی کی ادائیگی ہی کر دے۔

دوسرا اسلوب

اس اسلوب کے تحت مفہوم کی ادائیگی کا خیال رکھتے ہوئے سلیس اور بامحاورہ ترجمہ کیا جاتا ہے۔ اس قسم کے ترجمہ میں مترجم اصل عبارت کے ہر لفظ کے مدمقابل اپنی زبان کے الفاظ لانے کا پابند نہیں ہوتا ہے، بلکہ پہلے وہ اصل عبارت کو پڑھتا ہے، پھر وہ اس کو اچھی طرح سمجھتا ہے۔ اس کے بعد اس کی روح اور اس کے مفہوم کو اپنی زبان میں اصل عبارت کو ترتیب کی پابندی کے بغیر پیش کر دیتا ہے۔ اس اسلوب کے بارے میں شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں: "کچھ ایسے بھی مترجم ہیں جو ترجمہ کرنے سے پہلے اصل عبارت کے معانی و مطالب میں غور و خوض کرتے ہیں، کنایات و مجازات اور تقدیم و تاخیر سے واقف ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ پھر ان تمام چیزوں کو وہ ذہن میں محفوظ کر لیتے ہیں۔ اس کے بعد فارسی زبان یا جس زبان میں ترجمہ کرنا ہوتا ہے، ترجمہ کر ڈالتے ہیں۔ ترجمہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے اس اسلوب کو ''بیان حاصل المعنی'' کہا جاتا ہے۔۱۷؎ شاہ ولی اللہؒ کا خیال ہے کہ یہ اسلوب اور اس سے ملتے جلتے ترجمہ کے دوسرے اسالیب ترجمۂ کلامِ پاک کے لیے کسی طرح مناسب نہیں ہیں، کیونکہ ترتیبِ قرآنی اور الفاظِ قرآنی کی ترتیب کا خیال رکھے بغیر مترجم نے قرآن کے مفاہیم اور معانی و مطالب کو بیان کردیا، تو اس صورت میں ترجمہ میں تحریف کا کافی امکان ہے۔ اس کا بھی احتمال ہے کہ قرآنی عبارت کو سمجھنے میں مترجم نے غلطی کی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ نظمِ قرآنی کی ترتیب کا لحاظ کیے بغیر قرآن کے مفہوم کو ادا کردیا جائے، تاکہ دوسرے شخص کے لیے غلطی کا احتمال بھی باقی نہ رہے۔ شاہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ: ''دوسرے اسلوب (بیان حاصل المعنی) میں بھی کچھ نہ کچھ خامیاں ہیں۔ اس اسلوب کے تحت اکثر و بیشتر مترجم کی ترجمانی کو دو وجہوں یا اس سے زیادہ وجوہ پر محمول کیا جاسکتا ہے۔ مترجم ترجمہ میں کچھ ایسے مفاہیم کو بیان کردیتا ہے جن سے متکلم کو کوئی سروکار ہی نہیں ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے اکثر و بیشتر تحریفات پچھلی آسمانی کتابوں میں ہوچکی ہیں۔ ترجمۂ قرآن کے لیے قرآن کی عبارت و الفاظ کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے، کیونکہ کہیں کہیں مترجم سے ایسی غلطی سرزد ہوجاتی ہے جس کا تدارک بعد کے لوگ کرتے ہیں۔ بسا اوقات کسی کو کوئی بات پہنچائی جاتی ہے تو وہ سامع (سننے والے) سے کہیں زیادہ اس بات کی حفاظت کرنے والا ہوتا ہے۔۱۸؎

تیسرا اسلوب

ترجمۂ قرآن کریم کا ایک تیسرا اسلوب ہے جس کو کچھ مترجم نے اختیار کیا ہے۔ یہ اسلوب مذکورہ دونوں اسالیب کا مجموعہ ہے۔ اس اسلوب کے تحت مترجم سب سے پہلے قرآن کریم کا حرف بہ حرف ترجمہ کرتا ہے۔ اس کے بعد حاصل شدہ مفہوم یا پوری آیت کے مفہوم کو تفسیر کی شکل میں بیان کردیتا ہے۔ شاہ صاحب کا کہنا ہے کہ: ''مذکورہ دونوں اسالیب کی خامیوں کو دور کرنے کے ارادہ سے کچھ مترجمین نے ''لفظی ترجمہ'' اور ''حاصل شدہ مفہوم کی تعیین'' کے درمیان جمع کرنے کی کوشش کی ہے، تاکہ لفظی ترجمہ کی پیچیدگی سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کوسوں دور ہو۔ ترجمہ شدہ الفاظ یا متشابہ کی تاویل میں دو توجیہ میں سے کسی ایک کو ترجمہ میں اختیار کرنے کی وجہ سے معانی و مفاہیم کی تعیین میں (حاصل شدہ ترجمہ کو اختیار کرنے کی وجہ سے) کوئی کمی واقع ہو جائے تو اس کمی کو "لفظی ترجمہ" یا "تحت اللفظ ترجمہ" کے ذریعہ دور کیا جا سکتا ہے۔[19]

شاہ صاحب اس اسلوب کو بھی کافی نہیں سمجھتے ہیں، کیونکہ دور دور تک اس میں ذوقِ سلیم کا فقدان ہے۔ انھوں نے اس اسلوب کو بھی یہ کہتے ہوئے رد کر دیا ہے کہ: "یہ اسلوب (یعنی مذکورہ دونوں اسلوبوں کا خیال رکھنا) صاحبِ ذوقِ صحیح کے لیے پریشانی کا باعث ہوتا ہے۔ اس لیے کہ یہ اسلوب ابتدائی درجہ کے قاری کے ذہن کو تشویش و اضطراب میں ڈال دیتا ہے۔ اعلیٰ درجہ کا قاری بھی اس سے مستفید نہیں ہو پاتا ہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ عبارت کافی طویل ہوتی ہے اور اپنے فطری انداز سے دور ہوتی ہے"۔[20]

چوتھا اسلوب

یہ اسلوب شاہ صاحب کا پسندیدہ اسلوب ہے؛ انھوں نے فارسی زبان میں ترجمۂ قرآن کے لیے ایک انوکھا اسلوب اختیار کیا، جس کو "فتح الرحمٰن بترجمۃ القرآن" کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہی وہ اسلوب ہے جس میں نظمِ قرآن کی ترتیب کی مکمل پابندی کرنے کے ساتھ ساتھ حاصل شدہ مفہوم کی وضاحت بھی کی جا سکتی ہے۔ اضافی الفاظ کو شاذ و نادر ہی جگہ دی گئی ہے الا یہ کہ ان سے بچنا ممکن نہ تھا۔ یہی وہ اسلوب ہے جو لفظی ترجمہ کے اسلوب اور حاصل شدہ مفہوم یا تفسیری ترجمہ کا مجموعہ ہے، لیکن یہ اسلوب ایک انوکھا اسلوب ہے، کیونکہ یہ ترجمہ ایک تفسیری ترجمہ یا قاری کو قرآنی مفہوم کی رسائی کرانے کے اعتبار سے حاصل شدہ مفہوم کا ترجمہ ہے۔ یہ ترجمہ بیک وقت لفظی ترجمہ یا ترجمہ میں ترتیبِ نظمِ قرآنی کی وجہ سے اور الفاظِ نظمِ قرآنی پر ترجمہ کے الفاظ زیادہ نہ ہونے کے اعتبار سے تحت اللفظ ترجمہ ہے۔ انھوں نے اپنی کتاب "الفوز الکبیر" میں اپنے ترجمۂ قرآن کی خصوصیات کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے: "کلام کی موزونیت، تخصیص و تعمیم اور ان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے علاوہ عربی زبان کے مشابہ ہونے کی وجہ سے فارسی زبان میں ان کا ترجمۂ قرآنِ مجید وہبی علوم میں سے ہے۔ ہم نے ''فتح الرحمٰن بترجمۃ القرآن'' میں ان کو ثابت بھی کیا ہے۔ قارئین کے عدم فہم کے اندیشہ کی وجہ سے کہیں کہیں بغیر تفصیل کے ہی ہم نے اس شرط کو ترک کردیا ہے''[۲۱]۔ قاری کو قرآن کے مدلول و مفہوم تک پہنچانے میں نظم قرآن کے ترتیبِ الفاظ کے التزام میں ٹکراؤ کی صورت اگر پیدا ہوتی ہے تو ترتیب کے التزام کو ترک کردیا جاتا ہے۔ التزام الفاظ کے پہلو پر مفہوم کے پہلو کو ترجیح دینا زیادہ مناسب ہے، مگر ترجمہ میں اس اسلوب کو اختیار کرنا آسان نہیں ہے۔ ترجمۂ قرآن مجید کے وقت اس اسلوب کا التزام رکھنے کے تعلق سے بہت سی پریشانیوں اور مشکلات کو شاہ صاحبؒ نے ایک مختصر سے رسالہ میں ذکر کیا ہے۔ یہ رسالہ اس وقت لکھا گیا جس وقت آپ ترجمۂ قرآن لکھ رہے تھے۔ اس رسالہ کے ذریعہ شاہ صاحبؒ نے اپنے پسندیدہ اسلوب کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: ''جس وقت بندۂ ناچیز کو ترجمہ کے مذکورہ ان تینوں اسالیب سے آگاہی ہوئی، تو ان میں سے ہر ایک میں کوئی نہ کوئی نقص پایا گیا۔ آخر کار ایک ایسے چوتھے اسلوب کی ایجاد کا عزم مصمم کیا گیا، جو ترجمہ کے موجودہ خامیوں کو دور کرنے کے ساتھ ساتھ تینوں اسالیب کا احاطہ بھی کرتا ہو۔ اسی وجہ سے مستقل طور پر میں نے ایک طرف ''لفظی ترجمہ'' یا ''تحت اللفظ'' ترجمہ کرنا شروع کیا، فنونِ ترجمہ نگاری کے سلسلہ میں غور بھی کرنے لگا، یہاں تک کہ موجودہ خامیوں اور نقائص سے چھٹکارا پانے کا طریقہ ڈھونڈھ نکالا۔

شاہ صاحب کا ترجمۂ قرآن دو اجزاء پر مشتمل ہے؛ اول: الفاظ قرآنی کے نیچے تحریر شدہ ترجمہ۔ دوم: وہ تفصیلی نوٹس یا تشریحات جنھیں انھوں نے اپنے ترجمہ کے حواشی میں شامل کیا ہے یا بعض ایسی چیزوں کی مختصر وضاحت جس کی ترجمہ میں گنجائش نہیں تھی، بہر حال آیت کا مطلب ان وضاحتوں پر ہی موقوف ہے۔ ان دونوں عناصر کو انھوں نے اپنے ترجمۂ قرآن کریم کا ایک اہم جزء قرار دیا ہے، ''فتح الرحمٰن بترجمۃ القرآن'' انہی خصوصیات کی وجہ سے دوسرے بہت سے تراجم سے ممتاز ہے۔ شاہ صاحب نے اپنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ترجمۂ قرآن کے مقدمہ میں کچھ خصوصیات کی طرف اشارہ بھی کیا ہے۔ کچھ ایسی بھی خصوصیات ہیں جن کا ذکر اس مقدمہ میں نہیں کیا ہے۔ ان خصوصیات کو چند مثالوں کے ذریعہ ہم ذیل میں بیان کریں گے۔

۱۔ شاہ صاحبؒ کے ترجمۂ قرآن کو فارسی زبان میں سب سے اہم تراجم قرآن کریم میں شمار کیا گیا ہے، کیونکہ انھوں نے ترجمہ میں واحد و جمع، فاعل و مفعول اور حال کے معانی کی رعایت کی ہے۔ نظمِ قرآنی کی ترتیب میں کسی طرح کی کوئی تبدیلی کیے بغیر عربی تعبیر کی انتہائی باریکی کو اپنی استعداد و صلاحیت کے مطابق فارسی میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ مذکورہ بالا قواعد کا خیال رکھنے اور الفاظِ قرآنی و نظمِ قرآنی کی ترتیب کے بہت زیادہ التزام میں ان کی شدید دلچسپی کی وجہ سے کچھ جگہوں میں تفسیری ترجمہ کے بجائے خالص لفظی ترجمہ ہوگیا ہے۔ مثال کے طور پر درج ذیل آیتوں اور ان کے فارسی تراجم کو پیش کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَوْمَئِذٍ يَصْدُرُ النَّاسُ أَشْتَاتاً لِّيُرَوْا أَعْمَالَهُمْ. فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْراً يَرَهُ. وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرّاً يَرَهُ (الزلزال/۶-۸)۔

ترجمہ: ”آنروز باز گردند مردماں بر احوالِ مختلف تا نمودہ شود بایشان جزای اعمال ایشان (۶) پس ہر کہ کردہ باشد ہم وزنِ یک ذرہ عمل نیک بیند آن را (۷) و ہر کہ کردہ باشد ہم وزنِ یک ذرہ عملِ بد بیند آن را (۸)“ اس ترجمہ میں ترتیبِ نظمِ قرآنی کی مکمل رعایت کی گئی ہے۔ جیسے (یومئذ = آنروز)، (یصدر = باز گردند)، (الناس = مردمان)، (أشتاتاً = بر احوالِ مختلف) اور (لیروا = تا نمودہ شود بایشان) سے ترجمہ کیا گیا ہے۔ یہاں صرف ایک توضیحی لفظ جزا کا اضافہ کیا گیا ہے۔ اس کے بعد (أعمالهم = اعمالِ ایشان) کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ یہی طریقہ بقیہ دونوں آیتوں میں اختیار کیا گیا ہے، بلکہ پورے کلامِ پاک کے ترجمہ میں اسی اسلوب کو اپنایا گیا ہے۔

اس ترجمہ کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ فارسی زبان کے طرز پر فعلِ مبنی کا ترجمہ نظمِ قرآنی کے فاعل سے کیا گیا ہے۔ اسی طرح فعلِ مبنی کا ترجمہ فارسی زبان کے مفعول کی بنیاد پر مفعول سے کیا گیا ہے۔ پورے ترجمۂ قرآنِ مجید میں نہایت پابندی کے ساتھ ان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اصولوں کی رعایت کی گئی ہے۔ مذکورہ مثال میں لفظ "یَصْدُرُ النَّاسُ" کا ترجمہ "یحشر الناس" سے نہیں کیا گیا ہے، باوجودیکہ اس کا یہ معنی صحیح بھی ہے، مگر "یصدر" فعلِ مبنی کا ترجمہ فعل مبنی سے ہی کیا گیا ہے۔

شاہ صاحب کے ترجمہ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ کلامِ پاک کے فعلِ لازم کا ترجمہ فارسی زبان کے فعل لازم سے، اسی طرح فعلِ متعدی کا ترجمہ فعلِ متعدی سے کیا گیا ہے۔ اس کی مثال درج ذیل آیت کے ایک ٹکڑے سے دی جارہی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُومَاتٌ فَمَن فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ (البقرہ/۱۹۷) ترجمہ: "حج موقت است بماہ ہای دانستہ شدہ، پس ہر کہ لازم کرد بر خود دریں ماہ ھا حج را (یعنی احرام بست) پس مخالطت زنان جائز نیست..."[۲۲] یہاں "فَمَن فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ" کا ترجمہ "فمن ألزم نفسه الحج يعني أحرم بالحج" سے فعل متعدی کا خیال رکھتے ہوئے کیا گیا ہے۔ "من لزمه الحج" سے اس کا ترجمہ نہیں کیا گیا ہے، جیسا کہ بعض مفسرین نے کیا ہے۔

اس ترجمہ کی ایک باریکی یہ بھی ہے کہ واحد، جمع اور مذکر و مؤنث کی بھی بھرپور رعایت کی گئی ہے۔ پورے ترجمہ میں ان کی مثالیں موجود ہیں۔ مزید وضاحت کے لیے چند مثالیں پیش کی جارہی ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے: قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاءُ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النَّاظِرِينَ (البقرہ/۶۹) ترجمہ: "گفت ہر آئینہ خدا می فرماید کہ وی گاویست زرد، پر رنگ آں قدر کہ خوش میکند بینندگان را"[۲۳]۔ یہاں لفظِ واحد "بقرۃ" کا ترجمہ لفظ واحد "گاویست" سے کیا گیا ہے، جب کہ اس آیت إِنَّ الْبَقَرَ تَشَابَهَ عَلَيْنَا (البقرہ/۷۰) کے لفظ "بقر" کا ترجمہ لفظِ جمع "گاوان" سے کیا گیا ہے۔ آیتِ مذکورہ کا ترجمہ: ہر آئینہ گاوان مشتبہ شدند بر ما" حالانکہ لفظ "البقرۃ" کا استعمال مذکر و مؤنث اور واحد کے لیے ہوتا ہے، جب کہ تاء مفردہ مدورہ کے حذف کے ساتھ لفظ "البقر" کا استعمال صرف جمع کے لیے ہوتا ہے[۲۴]۔

شاہ صاحب کے ترجمہ کا امتیاز یہ ہے کہ تصحیح معنی کے لیے اس کی ضروری پوشیدہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چیزوں کی نشان دہی ترجمہ میں کر دی جاتی ہے۔ دورانِ ترجمہ ایک ایسے لفظ کا اضافہ کیا جاتا ہے جو پوری آیت کے مفہوم کو مکمل طور پر واضح کر دیتا ہے۔ یہ مقدرات قسم قسم کے ہوتے ہیں۔ کبھی مضاف مقدر ہوگا تو کبھی مفعول، کبھی فعل تو کبھی موصوف وغیرہ وغیرہ۔ ان مقدرات کی وضاحت کے لیے درج ذیل مثالیں پیش کی جارہی ہیں۔

مبتدا اور خبر کے مقدر ہونے کی مثالیں

نفس عبارت میں کبھی مبتدا کا کوئی جزء یا خبر کا کوئی جزء اس طور پر پوشیدہ ہوتا ہے کہ جس سے نہ صحیح معنی سمجھ میں آتا ہے اور نہ ہی اس سے مفہوم ہی واضح ہو پاتا ہے، تو اس صورت میں آیت کے خفاء کو دور کرنے کے لیے شاہ صاحب ان مقدرات کو واضح فرمادیتے ہیں۔ ان کے ترجمۂ قرآن میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے: الشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ (البقرہ/۱۹۴)۔ ترجمہ: ''ماہِ حرام عوض ماہِ حرام است، حرمت شکنیہا دارای قصاص است پس ہر کہ تعدی کند بر شما پس درازی کنید مانندِ دست درازیٔ وی بر شما'' ۲۵۔ شہرِ حرام شہرِ حرام کے بدلہ محترم ہے، محترم کو پامال کرنے کی صورت میں قصاص دینا پڑے گا، جس نے تم پر ظلم و زیادتی کی تو اس ظلم و زیاتی کے بقدر تم لوگ اس پر بھی ظلم و زیاتی کر ڈالو۔ ''والحرمٰتُ قصاصٌ'' کے اندر دو الفاظ پوشیدہ ہیں۔ ایک مبتدا کا لفظ اور دوسرا خبر کا لفظ، اصل عبارت اس طرح ہے: ''انتھاک الحرمٰت ذو قصاص'' اب اس عبارت کا مفہوم یہ ہوگا کہ جس کسی نے بھی محترم و مقدس چیزوں کی پامالی کی تو اس سے قصاص لیا جائے گا۔ ان الفاظ کو مقدر ماننے کی صورت میں آیت کا مفہوم بالکل واضح ہو جاتا ہے۔

فعل کو مقدر ماننے کی مثال

ضرورتِ کلام کی وجہ سے کہیں فعل کو مقدر مانا گیا ہے، کیونکہ اس کے بغیر معنی و مفہوم کی وضاحت نہیں کی جاسکتی ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنِّیْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ (آل عمران/۴۹)۔ ترجمہ: ''گرداند اورا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیغامبری بسوی بنی اسرائیل بایں دعوی کہ آوردہ ام پیش شما نشانہ ای از پروردگار شما‘‘ ۲۶؎ لفظ ’’رسولا‘‘ سے پہلے فعل ’’جعلہ‘‘ کو مقدر مانا گیا ہے۔ اسی طرح ’’أنّی قد جئتکم‘‘ سے پہلے حرف جر ’’با‘‘ کو مقدر مانا گیا ہے، جو ’’جعلہ‘‘ فعل مقدر سے متعلق ہے۔ حرف جر ’’ب‘‘ کو مقدر ماننے کی وجہ سے جملۂ مذکورہ کی تاویل مفرد سے کرنے میں مفید ہوگا۔

مفعول کو مقدر ماننے کی مثال

کہیں مفعول کو مقدر مانا جاتا ہے۔ اس لیے کہ اس کے اظہار کے بغیر آیت کا مفہوم واضح نہیں ہو پاتا ہے۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: إِنَّ الَّذِينَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِينَ (الاعراف/۱۵۲)۔ ترجمہ: ’’ہرآینہ کسانی کہ معبود گرفتند گوسالہ را، خواہد رسید بایں جماعت خشمی از پروردگار ایشاں و رسوائی در حیات دنیا، وہمچنیں جزا می دہیم افترا کنندگان را‘‘ ۲۷؎۔ ’’اتخذوا العجل‘‘ کا ترجمہ ’’اتخذوا العجل معبود او إلھاً‘‘ سے کیا گیا ہے، کیونکہ یہاں ’’اتـخـاذ‘‘ ’’جـعـل‘‘ کے ہم معنی ہے، جس کو ایک مفعول کی ضرورت پڑتی ہے اور یہ مفعول لفظاً مقدر ہوتا ہے۔ یہ مفعول کے مقدر ہونے کی ایک قسم ہے۔ شاہ صاحب نے مفعول کا ترجمہ کرکے اس کے سبب خفاء کو دور کردیا ہے۔ اس قبیل کی تمام آیتوں میں انھوں نے یہی طریقہ اختیار کیا ہے۔ ۲۸؎

موصوف کے مقدر ہونے کی مثال

کبھی موصوف کو مقدر مانا جاتا ہے۔ اس لیے کہ اس کے اظہار کے بغیر آیت کے مفہوم کا سمجھنا بہت دشوار ہوتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَآتَيْنَا ثَمُودَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوا بِهَا (بنی اسرائیل/۵۹) ترجمہ: ’’و دادیم ثمود را شتر مادہ نشان درخشان پس کافر شدند بودی‘‘ ۲۹؎۔ یعنی: ہم نے قوم ثمود کو واضح نشانی کے طور پر ایک اونٹنی عطا کیا، تو ان لوگوں نے اس کا انکار کردیا۔ نظمِ قرآنی میں صفت ’’مبصـرة‘‘ کے موصوف کو حذف کردیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گیا ہے۔ یہ بھی مخفی ہونے کی ایک قسم ہے۔ شاہ صاحب نے ترجمہ میں ایک لفظ ''نشانی'' (آیة) کا اضافہ کر کے اس خفاء کو دور کر دیا ہے۔ اس کی وجہ سے آیتِ قرآنی کا مفہوم بالکل واضح ہو جا رہا ہے۔

دورانِ ترجمہ مجمل کا بیان اور ابہام کی توضیح

شاہ صاحب کے ترجمۂ قرآن کی ایک اور اہم خصوصیت یہ ہے کہ اگر قرآن مجید میں کوئی ایسا مجمل لفظ آیا ہے جس کے مفہوم کی وضاحت ابہام یا کثرتِ معانی یا پھر ان میں اشتراک کی وجہ سے نہیں ہو پا رہی ہے، تو آیت کے اس اجمال کو دور کرنے کے لیے ترجمہ میں ایک مختصر سی عبارت کا اضافہ کر دیا جاتا ہے اور مختلف احتمالات کو ذکر کر کے قاری کے ذہن کو پریشانی میں ڈالے بغیر ہی اس طریقہ کو اختیار کیا جاتا ہے۔

ترجمہ کے اس منہج کے تحت طویل عبارت کے پڑھنے پر قاری کو مجبور نہیں کیا جاتا ہے۔ اس ترجمہ میں اسے ملحوظ رکھا گیا ہے۔ یہاں اسے چند مثالوں سے واضح کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ (البقرہ/۱۷۸)۔ ترجمہ: پس کسی کہ در گذاشتہ شد از او چیزی را از خون برادرش، پس حکم او پیروی کردن است بہ نیکوئی و رسانیدن خون بہا است بوی بہ خوش خوئی'' ۳۰۔ اس آیت کے مفہوم میں کچھ اجمال ہے، کیونکہ درج ذیل مفاہیم و معانی پر اس آیت کو محمول کیا جا سکتا ہے۔

کچھ مفسرین کا خیال ہے کہ: اس آیت کے مفہوم کی وضاحت اس طرح کی جائے گی: ''فمن عفی له من قبل أخيه شئ من العفو'' اس صورت میں فعل مصدر کا مسند ہوگا۔ جیسا کہ ''سیر بزید بعض السیر'' میں ہے اور ''الاخ'' (بھائی) مقتول کا ولی ہے۔ لفظ (أخوّة) کو جنسیت اور اسلام کے درمیان عطف کی وجہ سے ذکر کیا گیا ہے اور ''مــــن'' سے مراد وہ قاتل ہے جس کے جرم کو معاف کر دیا گیا ہے۔ دوسرے مفعول کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے اس کو ترک کردیا گیا ہے۔

ایک صورت یہ بھی ہے کہ: "له" کو "عنه" کے قائم مقام کردیا جائے، پھر "له" اور "أخيه" کی ضمیر کو "من" سے جوڑ دیا جائے، "إليه" کی ضمیر کو "أخ" کے لیے یا اس متبع کے لیے خاص کردیا جائے، جس متبع پر "فاتباع" دلالت کررہا ہے۔ اب اس کا مطلب یہ ہوگا کہ معروف طریقہ پر طالب کو قاتل سے ایک عمدہ مطالبہ کرنا چاہیے۔ مطلوب یعنی قاتل کو چاہیے کہ بطور احسان خون بہا اس طرح ادا کرے جو اس کو کسی تنگی یا پریشانی میں مبتلا نہ کرے۔ "شيء من العفو" بھی کہا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب کچھ خون بہا معاف ہوجائے یا کچھ وارث اس کو معاف کردیں تو اس صورت میں قصاص ساقط ہوجائے گا اور عفو یعنی معافی کو کافی سمجھا جائے گا۔ تو اس صورت میں قصاص ساقط ہوجائے گا اور "عفو" (معافی) کو کافی سمجھا جائے گا۔

ترجمہ میں کسی لفظ کے معنی کو متعین کرنے کا منہج

شاہ صاحب کے ترجمہ کی خصوصیات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کسی بھی لفظ کے ترجمہ کے دوران اس کے معنی کی ایسی تعیین کرتے ہیں کہ آیت کے اجمال واشکال خود بخود ختم ہوجاتے ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَإِذَا رَآكَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِن يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوًا أَهَٰذَا الَّذِي يَذْكُرُ آلِهَتَكُمْ (الانبیاء/۳۶)۔ ترجمہ: "وچوں بیند ترا کافران، نمی گیرند ترا مگر بہ تمسخر، می گویند آیا این شخص است کہ یاد می کند (یعنی باہانت) معبود آن شمارا"[۳۱]۔ یعنی: اور یہ کافر لوگ جب آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ ﷺ سے بس تمسخر کرنے لگتے ہیں۔ کیا یہی وہ (حضرت) ہیں جو تمھارے معبودوں کا ذکر (برائی سے) کیا کرتے ہیں، درآنحالیکہ یہ لوگ خدائے رحمٰن کے ذکر ہی سے کفر کرتے رہتے ہیں۔

یہاں لفظ "يذكر" اپنے ظاہری معنی میں نہیں ہے۔ ان کے معبودوں کا مطلق ذکر کرنے میں کوئی برائی کی بات نہیں ہے۔ تاکہ وہ لوگ اس کی وجہ سے نبی کریم ﷺ کا (نعوذ باللہ) مذاق نہ اڑائیں۔ یہاں لفظ "يذكر" سے ذکر مقید مراد ہے، جس میں اہانت وتذلیل اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

برائی شامل ہے۔

سیاق کی بنیاد پر قرآنی اصطلاحات کے ترجمہ کا مختلف ہونا

شاہ صاحب کے ترجمۂ قرآن کی ایک لطیف پہلو یہ بھی ہے کہ ہر جگہ اصطلاحاتِ قرآنی کا ترجمہ ایسی انوکھی اصطلاحات کے ذریعہ کیا جاتا ہے، جس کا سیاق و سباق متقاضی ہوتا ہے، کیونکہ اصطلاحاتِ قرآنی کے معانی و مفاہیم سیاق و سباق کے مختلف ہونے کی وجہ سے مختلف ہوتے رہتے ہیں۔ شاہ صاحب نے اپنے ترجمہ قرآن میں بہت ہی باریکی سے ان کا خیال رکھا ہے۔ فتح الرحمٰن بترجمۃ القرآن میں ان کی بہت سی مثالیں موجود ہیں، اثبات کے لیے یہاں چند مثالوں پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔ پہلی مثال لفظ ''حبہ'' سے دی جارہی ہے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد: وَآتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنَ (البقرہ/۱۷۷) ترجمہ: باوجود دوست داشتن آن'' یعنی: ''عَلٰی حُبِّهٖ'' اس سے دوستی کے باوجود یہی لفظ ایک دوسری آیت میں آیا ہے: وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّهٖ مِسْکِیْناً وَیَتِیْماً وَأَسِیْراً (الدہر/۸) ۔ترجمہ: ''باوجود احتیاج بآن'' ۳۲۔ یعنی: مال کی ضرورت ہونے کے باوجود، مختلف آیتوں میں مستعمل ایک لفظ کے مختلف ترجمہ کرنے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ شاہ صاحب اس وقت کی مروجہ تفاسیر سے بخوبی واقف تھے۔ اکثر مفسرینِ قرآن نے اپنی تفاسیر میں اس کی نشاندہی بھی کی ہے، جس کو شاہ صاحب نے اپنے ترجمۂ قرآن میں ذکر کیا ہے ۳۳۔ اس تعلق سے ان مفسرین نے ابن عباسؓ سے حدیث بھی نقل کیا ہے۔

شاہ صاحب نے کسی بھی قرآنی اصطلاح کے معنی کی تعیین میں قرآنی سیاق و سباق کو بہت اہمیت دی ہے، کیونکہ دو آیتوں میں لفظ ''سـائـح'' کا استعمال ہوا ہے اور دونوں کا ترجمہ ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: التَّـائِبُـوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّائِحُوْنَ الرّٰکِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْآمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ (التوبہ/۱۱۲) اس جگہ لفظ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"السائحون" کا ترجمہ: "سفر کنندگان در راہِ خدا" سے کیا گیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے راستہ میں سفر کرنے والا۳۴۔ جب کہ ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: عَسَىٰ رَبُّهُ إِن طَلَّقَكُنَّ أَن يُبْدِلَهُ أَزْوَاجاً خَيْراً مِّنكُنَّ مُسْلِمَاتٍ مُّؤْمِنَاتٍ قَانِتَاتٍ تَائِبَاتٍ عَابِدَاتٍ سَائِحَاتٍ ثَيِّبَاتٍ وَأَبْكَاراً (التحریم/۵) اس آیت میں لفظ "السٰئحٰت" کا ترجمہ: "روزہ دارندہ گان" ۳۵ سے کیا گیا ہے، یعنی روزہ رکھنے والی عورتیں۔ ان دونوں جگہوں میں اصطلاح "السیاحة" کا مناسب ترجمہ اختیار کیا گیا ہے؛ کیونکہ مومن مردوں کے مناسب حال "الخروج فی سبیل الله" ہے، خواہ یہ نکلنا یا سفر کرنا جہاد و غزوہ یا پھر ہجرت یا طلبِ علم کی خاطر ہو۔ مومن عورتوں کے مناسب حال "الصوم" ہے، یعنی: روزہ رکھنا۔ جب کہ بیک وقت اس لفظ میں دونوں معانی کا احتمال ہے۔

اسی طرح ایک اصطلاح "التقویٰ" کی ہے۔ قرآن میں جہاں کہیں بھی لفظ آیا ہے، تو اس کے سیاق و سباق کی مناسبت سے ہی شاہ صاحب نے اس اصطلاح کا ترجمہ کیا ہے۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَتَزَوَّدُواْ فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ وَاتَّقُونِ يَاأُوْلِي الأَلْبَابِ (البقرہ/۱۹۷) یہاں لفظ "التقویٰ" کا ترجمہ "الاجتناب عن السوال والسرقة" سے کیا گیا ہے۔ ترجمہ: "وتوشہ ہمراہ گیرید، ہر آئینہ بہترین فوائد توشہ پرہیزگاری است (یعنی از سوال و وزدی) وازمن بترسید ای خداوندان خرد" ۳۶ یعنی: اور توشہ حاصل کرو اس لیے کہ سب سے بہترین توشہ سوال کرنے اور چوری سے بچنا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے: لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَن تَقُومَ فِيهِ (التوبہ/۱۰۸) یہاں "التقویٰ" کا ترجمہ "نیة التقوی" سے کیا گیا ہے۔ ترجمہ: "ہر آئینہ مسجد کہ بنیاد نہادہ شدہ است بر نیت تقوی از روز اول بہتر ست کہ بایستی در آن" ۳۷ یعنی تقویٰ کی بنیاد پر تعمیر کی گئی مسجد میں عبادت کرنا روز اول سے ہی بہتر ہے۔ فرمانِ خداوندی ہے: وَمَا يَذْكُرُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ هُوَ أَهْلُ التَّقْوَىٰ وَأَهْلُ الْمَغْفِرَةِ (المدثر/۵۶) یہاں "أهل التقوی" کا ترجمہ "أنه أهل لأن يخاف منه" سے کیا گیا ہے۔ ترجمہ: "و یاد نمی کنند بندگان مگر وقتی کہ خواستہ باشد خدا، اوست سزاوار آنکہ از وی بترسند، واوست

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سزاوار آنکہ بیامرزد" ۳۸ یعنی: "وما یذکر العباد إلا أن یشاء الله، هو أهل لأن یخاف منه، وهو أهل لأن یغفر" ۔اس ترجمہ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ یہاں "التقویٰ" شاہ صاحب کے نزدیک "الخوف" کے معنی میں ہے۔ یہ مفعول کے فعلِ مبنی کا مصدر ہے۔ انھیں مثالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے، حالانکہ کلام پاک میں اس طرح کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔

ترجمہ میں تقدیم وتاخیر

شاہ صاحب کے ترجمۂ قرآن کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ انھوں نے ترجمۂ قرآن میں نظمِ قرآن کی ترتیب کا بہت زیادہ خیال رکھا ہے، اس کی واضح مثالیں ان کے ترجمۂ قرآن میں دیکھی جاسکتی ہیں، لیکن جب ان کو یہ احساس ہوتا ہے کہ نظمِ قرآنی کی ترتیب کی پیروی کی وجہ سے ترجمہ میں وہ مفہوم واضح نہیں ہو پائے گا جو قرآن کا مطلوب و مقصود ہے، تو اس صورت میں نظم قرآنی کی ترتیب کی پیروی کو وہ ترک کر دیتے ہیں۔ اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ قرآنی مفہوم اور اس کے مراد کو واضح کرنا زیادہ اہم ہے۔ اگر نظم قرآنی کی ترتیب کے ساتھ مفہوم ومقصود کی رعایت ممکن ہے تو اس صورت میں دونوں کی رعایت کی جاتی ہے، اس وجہ سے اسی ترجمۂ قرآن کریم میں عام طور سے ایک ساتھ دونوں ہی صورتوں کی رعایت کی بھرپور کوشش کی گئی ہے۔ جب دونوں صورتوں کی رعایت میں کوئی عذر لاحق ہوتا ہے، تو شاہ صاحب مفہوم کی رعایت کو ترجیح دیتے ہیں۔ ترتیبِ ترجمۂ قرآن کے علاوہ معنی ومفہوم کی رعایت کی مثالیں ان کے ترجمہ میں موجود ہیں۔

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللَّهِ أَكْبَرُ مِن مَّقْتِكُمْ أَنفُسَكُمْ إِذْ تُدْعَوْنَ إِلَى الْإِيمَانِ فَتَكْفُرُونَ (السجدہ/۱۰) ترجمہ: "ہر آئینہ آنانکہ کافر شدند آواز دادہ شود ایشان را کہ بہ تحقیق دشمن داشتن خدا شما را وقتیکہ خواندہ می شدید در دنیا بسوی ایمان پس کافر می ماندید زیادہ تر است از دشمن داشتن شما خود را" ۔ ۳۹ آیت کا یہ ٹکڑا "لمقت الله" کا ظرف ہے، تو ظرف اور مظروف کا ترجمہ ایک ساتھ کیا گیا ہے۔ "اکبر من

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مقتکم أنفسکم" یہ خبر ہے۔ اس کو ترجمہ میں مؤخر کیا گیا ہے۔ اگر خبر "أکبر من مقتکم" کے بعد ہی "إذ تدعون..." کا ترجمہ کر دیا جائے تو وہم پیدا ہو جائے گا کہ ظرف خبر سے متعلق ہے نہ کہ مبتدا سے، اس وجہ سے اس آیت کے ترجمہ میں ترتیبِ نظمِ قرآنی کی رعایت کو ترک کر دیا گیا ہے۔

کسی لفظ کے مختلف تراجم میں کسی ایک کے انتخاب کرنے کا طریقہ

بعض اوقات ایک ہی لفظ کا ترجمہ مختلف طور پر کیا جاتا ہے۔ اس طرح کا ترجمہ اختیار کرنے کی وجہ سے تفسیری قوت میں اثر اور آیت کے مدلول میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔ فرمانِ خداوندی ہے: وَإِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِیْ الْأَرْضِ لِیُفْسِدَ فِیهَا وَیُهْلِکَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللّٰهُ لاَ یُحِبُّ الْفَسَادَ (البقرہ/۲۰۵) ترجمہ: "وچون ریاست پیدا کند بشتابد در زمین تا تباہی کند در آن و نابود سازد زراعت و مواشی را، وخدا دوست ندارد تباہ کاری" [۴۰]۔ یہاں "تولّی" انسان کا اپنی قوم کے حاکم ہونے کے معنی میں ہے۔ یہ دو توجیہات میں سے ایک توجیہ ہے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَهَلْ عَسَیْتُمْ إِنْ تَوَلَّیْتُمْ [۴۱] لفظ "تولی" کے چند معانی ہیں جن کو مفسرین نے ذکر کیا ہے۔ وہ چند معانی درج ذیل ہیں:

۱ – إذا تولیٰ أی إذا أدبر وأعرض.

۲ – إذا ملک وصاروا لیاء قاله الضحاک بن مزاحم ومجاهد بن زبیر.

۳ – إذا غضب، قاله إبن عباس رضی الله عنه. [۴۳]

۴ – إذا تولیٰ أی إذا انصرف عن قوله الذی قاله.

مگر شاہ صاحب نے ان تمام مفہومِ بالا سے ہٹ کر ایک دوسرا مفہوم "اقتدار کا حاصل ہونا یا قوم کا سردار ہونا" اختیار کیا ہے، کیونکہ یہ مفہوم سب سے زیادہ مناسب و موزوں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس آیت میں لفظ "تولیٰ" کے بعد "هلک الحرث والنسل" آیا ہے۔

لفظ "تولیتم" کا اصلی معنی بھی کہیں اختیار کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ (محمد/۲۲) ترجمہ: ''پس ای ضعیف ایمان اگر متولی امور مردمان شوید البتہ نزدیک آید از آنکہ تباہ کاری کنید در زمین وقطع قبیلہ داری نمائید'' ۴۳ یعنی ایمان کی کمزوری کے ساتھ اگر تم لوگوں کے معاملے کے ذمہ دار ہوگئے تو قریب ہے کہ تم زمین میں فساد برپا کروگے اور قبیلہ کے نظام کو درہم برہم کردوگے۔ دوسرے مفسرین حضرات نے اس لفظ کی تفسیر میں دین، تعلیم، قرآن اور عوام کے امور کی ذمہ داری وغیرہ سے اعراض کا مفہوم بیان کیا ہے، مگر شاہ صاحب نے ان تمام مذکورہ اقوال کے علاوہ اپنے ترجمہ میں اس لفظ کا وہ مفہوم اختیار کیا ہے جو قرآن کے سیاق وسباق کے پیشِ نظر سب سے زیادہ لائقِ اعتناء ہے۔

ایک آیت میں کئی معانی کا احتمال ہو

کسی آیت کے ایک سے زیادہ مفہوم یا تفسیر کے احتمال کی صورت میں بھی شاہ صاحب کے ترجمۂ قرآن کریم میں کوئی تعارض نہیں پایا جاتا ہے، کیونکہ انھوں نے ایک مفہوم کو تو ترجمہ میں بیان کردیا ہے اور دوسرے مفہوم کو قاری کی ضرورت کے پیشِ نظر نوٹس میں بیان کیا ہے۔ مثال کے طور پر ارشادِ خداوندی ہے: وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ لِكُلِّ أَجَلٍ كِتَابٌ. يَمْحُو اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ (الرعد/ ۳۸-۳۹) ترجمہ: ''ونشاید ہیچ پیغمبری را کہ بیارد ہیچ نشانہ مگر بہ حکم خدا، ہر قضای را موعدی باشد، نابود مسازد خدا ہر چہ میخواہد و ثابت می کند ہر چہ خواہد، نزد اوست ام الکتاب (یعنی لوح محفوظ) ۴۴۔ نوٹس میں مزید وضاحت اس طرح کی گئی ہے: ''مترجم گوید: صورت حادثہ در عالم ملکوت خالق می فرماید بعد از آن اگر خواہد محو کند و اگر خواہد ثابت دارد و شاید کہ معنی چنین باشد کہ ہر زمانی را شریعتی ہست نسخ می کند خدای تعالیٰ آنچہ میخواہد، وثابت می گذارد آنچہ را میخواہد، نزد اوست لوح محفوظ ۴۵، یعنی مترجم کی رائے ہے: عالم ملکوت میں ہر چیز کی شکل وصورت اور ہیئت اللہ تعالیٰ نے بنا رکھی ہے، جب وہ چاہتا ہے تو اس کو مٹا دیتا ہے یا ناپید کردیتا ہے اور جب چاہتا ہے اسے وجود بخش دیتا ہے۔ گویا کہ اس کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مفہوم یہ ہوا کہ ہر زمانہ کے لیے اس کا ایک قانون شریعت ہے، اس میں سے جس کو وہ چاہتا ہے منسوخ کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے پاس لوح محفوظ میں یہ تمام چیزیں موجود ہیں۔ آیت کے دوسرے مفہوم کی نشاندہی نوٹس میں کی گئی ہے اور پہلے مفہوم کو ترجمہ میں بیان کیا گیا ہے۔ دوسرے مفہوم کے لیے نوٹس کی طرف اشارہ کرنا ہی کافی ہے۔

ظاہری آیت کے اشکال کو دور کرنے کے لیے شاہ صاحب نے کئی مثالوں کا ذکر کیا ہے یہاں ایک مثال پیش کی جارہی ہے۔ شاہ صاحب نے نوٹس میں بیان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا فَلَمَّا تَغَشّٰهَا حَمَلَتْ حَمْلاً خَفِيْفاً فَمَرَّتْ بِهِ فَلَمَّا أَثْقَلَت دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ آتَيْتَنَا صَالِحاً لَّنَكُونَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ. فَلَمَّا آتَاهُمَا صَالِحاً جَعَلاَ لَهُ شُرَكَاء فِيْمَا آتَاهُمَا فَتَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ (الاعراف/۱۸۹-۱۹۰) اس آیت کی تفسیر میں شاہ صاحب نے اس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے جس کو اکثر مفسرین نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے۔ اس حدیث کی رویات حسن سمرہؓ سے اور سمرہؓ نبی کریم ﷺ سے کرتے ہیں۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں: ''جب حواء علیہا السلام حاملہ ہوئیں ہیں تو شیطان ان کے پاس آیا، کیونکہ اس وقت تک ان کا کوئی بچہ زندہ نہیں رہ پاتا تھا، تو شیطان نے کہا: اب اپنے پیدا ہونے والے بیٹے کا نام ''عبدالحارث'' رکھیے، تو انھوں نے اس کا نام عبدالحارث رکھ دیا، تو وہ زندہ رہنے لگا۔ یہ شیطان کی وحی اور اس کے حکم میں سے ہے''۔ شاہ صاحب نے اس حدیث پر کوئی کلام نہیں کیا ہے، بلکہ اس پر اعتماد کیا ہے اور آدم علیہ السلام کی عصمت و پاکدامنی کے تردد و اشکال کو دور کرنے کی کوشش بھی کی ہے۔ اس بات پر تمام لوگوں کا اجماع ہے کہ انبیاء علیہم السلام شرک سے پاک ہیں، تو آیت کے پہلے جزء کو آدم وحواء سے متعلق قرار دیا جائے۔ اس کے بعد ''فلمّا تغشّٰها'' کو عام لوگوں کی حالت کی طرف منتقل کر دیا جائے، کیونکہ عام لوگ اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا نہیں کرتے ہیں۔ کلام پاک نے مختصر الفاظ اختیار کیا ہے۔ اس اختصار کی وجہ سے کچھ لوگ شبہ میں پڑ گئے ہیں۔ ان لوگوں نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کلام کو آدم وحواء علیہما السلام کے حق میں مان کر یہ ثابت کیا ہے کہ قرآن کریم نے آدم علیہ السلام کی طرف شرک کو منسوب نہیں کیا ہے، تو اس اعتبار سے کوئی اشکال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے۔ جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، تو اس میں سرے سے آدم علیہ السلام کا ذکر ہی نہیں ہے، بلکہ اس میں حواء علیہا السلام کا اپنے بیٹے کا عبدالحارث نام رکھنے کا ذکر ہے اور حواء کی معصومیت کی ضمانت نہیں لی گئی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آدم علیہ السلام کی اجازت اور ان کے علم کے بغیر ہی انھوں نے اپنے بیٹے کا نام رکھا ہو۔ طویل گفتگو سے احتراز کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں: یہ آیت مشکل ہے، کیونکہ اس کے ظاہر سے آدمؑ کے شرک کرنے کا پتہ چل رہا ہے۔ یہ بات بھی طے شدہ حقیقت ہے کہ انبیاء معصوم ہوتے ہیں۔ اس اشکال سے پیچھا چھڑانے میں مفسرین حضرات کو بھی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ اس آیت (فتعٰلی اللہ عمّا یشرکون)۴۶ کے دلیل کی بنیاد پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ "جعلا لہ شرکاء" کا مفہوم "جعل أولاد هما له شركاء" ہے۔ بُعد اور نظم کلام کے نقص سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ کہا جاتا ہے: یہ خطاب قریش اور قصی کی والدہ سے ہے۔ ان کی والدہ ایک با اثر قرشیہ عربیہ عورت تھی۔ ان دونوں نے اپنے بچوں کا نام عبدمناف، عبدالدار، عبدالعزی اور عبدقصی رکھا۔ زمخشری کہتے ہیں کہ یہ ایک اچھی تفسیر ہے، اس میں کوئی اشکال نہیں ہے۔

میں نے جو کچھ سمجھا ہے وہ یہ ہے کہ: "تغشّٰها" کا فاعل وہ ضمیر ہے جو ان میں سے کسی ایک کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اب اس آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں کی پیدائش کا سلسلہ آدمؑ سے ہی شروع کیا۔ ان تمام لوگوں میں بھی سب سے پہلے ان سے ان کی بیوی کو پیدا کیا، تاکہ آدمؑ اپنی بیوی سے سکون وقرار حاصل کریں۔ اس طرح پوری نسل انسانی کی ابتدا شروع ہوئی۔ آیت کے پہلے کلام سے رجوع کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ان تمام انسانوں کو پیدا کیا، مگر ان لوگوں نے نہ اللہ کا حق ہی ادا کیا اور نا ہی ان کا شکریہ ادا کیا۔ ان میں سے ایک نے اپنی بیوی سے صحبت کی، جس کے نتیجہ میں ان کی بیوی حاملہ ہوگئیں... اس اختصار کی وجہ سے پیچیدگی پیدا ہوگئی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حدیث میں صرف حواء کا ہی ذکر ہے۔ بہت ممکن ہے کہ آدمؑ کی اجازت کے بغیر ہی انھوں نے یہ نام رکھ دیا ہو، پھر بعد میں توبہ کرلیا ہو۔ واللہ اعلم۔ کلام کی اصل عام ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ وہ حواء ہی تھیں۔ ان پر آیات کے تمام خصوصیات کی تصدیق لازم نہیں آتی ہے، جب کہ اصل قصہ کا وجود لازم آرہا ہے۔

اس توجیہ کو اس آیت کے پیشِ نظر میں نے اختیار کیا ہے: يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُواْ رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِيراً وَنِسَاءً (النساء/۱) کیونکہ قرآن کی بعض آیتیں بعض آیتوں کی تفسیر بیان کرتی ہیں۔

ان دو آیتوں میں آدم علیہ السلام کی عصمت و پاک دامنی پر وارد شدہ اشکال کو دور کرنے کی شاہ صاحب کی کوشش ایک اعتبار سے بہت ہی اچھی کوشش ہے۔ مفسرین حضرات نے ان سے پہلے انھیں کے قول کے مثل ذکر کیا ہے۔ قرطبی کہتے ہیں: ''ایک قوم نے کہا: یہ ضمیر دو آدمیوں کی جنس کی طرف لوٹ رہی ہے اور آدمؑ کی نسل سے مشرکین کی حالت کی وضاحت کر رہی ہے۔ یہی وہ ضمیر ہے جو ان کی طرف لوٹتی ہے۔ ''جعلا لہ'' سے مراد مذکر و مؤنث کافر ہی ہے۔ یعنی کافر کی دونوں جنس، یہ آیت بھی اسی پر دلالت کر رہی ہے۔ ''فَتَعَالَى اللّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ''۔ یہاں ''یشرکان'' نہیں کہا گیا ہے۔ یہ ایک بہترین توجیہ ہے''۴۷۔ قرطبی کے ہی تفسیر کو دوسرے مفسرین حضرات نے بھی اختیار کیا ہے۔ طوالت کی وجہ سے ان کے اقوال کو حذف کیا جارہا ہے۔

موضوع اور اسرائیلی روایات میں شاہ صاحب کا موقف

موضوع اور اسرائیلی روایات میں شاہ صاحب نے ایک ماہر ناقد کا موقف اختیار کیا ہے۔ شروع ہی میں انھوں نے یہ طے کرلیا تھا کہ اسرائیلی روایات میں سے کچھ بھی بیان نہ کیا جائے اور قرآنی قصوں میں سے کچھ بھی کم نہ کیا جائے، جب کہ آیت کا مفہوم انہیں قصوں پر موقوف ہو۔ ان قرآنی قصوں کو نہ ہی بہت مختصر ذکر کیا جائے۔ اس سلسلہ میں وہ فرماتے ہیں: ''سابقہ تراجمِ قرآن دو حالتوں سے خالی نہیں ہے؛ پہلی: قرآن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے متعلق قصوں کو مکمل طور پر حذف کر دیا گیا ہے۔ دوسری: ان تمام قصوں کو مکمل طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ دونوں معاملوں 'ترک و احاطہ' کے درمیان ترجمہ میں اعتدال کی راہ اختیار کی گئی ہے۔ جہاں آیت کا سمجھنا قصہ کی معلومات پر منحصر ہے، تو وہاں بقدر ضرورت اختصار کے ساتھ قصہ کو بیان کیا گیا ہے اور جہاں آیت کا سمجھنا قصہ پر منحصر نہیں ہے، وہاں اس کے ذکر کرنے سے مکمل طور پر بے نیازی برتی گئی ہے ۴۸۔ ان قصوں کے ساتھ جن کی طرف قرآن مجید میں اشارہ کیا گیا ہے — اس واضح منہج کے باوجود دین وعقیدہ کے ثبوت میں ٹکراؤ کے وقت نقد سے کام لیا گیا ہے — اس کی مثالیں ترجمہ کے تشریحی نوٹس میں موجود ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ إِلَّا إِذَا تَمَنَّىٰ أَلْقَى الشَّيْطَانُ فِي أُمْنِيَّتِهِ فَيَنسَخُ اللَّهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللَّهُ آيَاتِهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ (الحج/۵۲) ترجمہ میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ "إذا تمنّی" سے مراد یہ ہے کہ جب کسی کے دل میں کوئی خواہش پیدا ہو جائے۔ اس آیت کی تشریح اس طور پر کی گئی ہے: ''یہ آیت مشکل ہے۔ مفسرین حضرات نے اس آیت کے ضمن میں قصۂ الغرانیق العلیٰ ذکر کیا ہے، جو صحیح نہیں ہے۔ مجھے یہاں ایک اچھی توجیہ کا الہام کیا گیا ہے، جو قابل غور ہے'' ۴۹ فتح الرحمٰن کے مطبوعہ نسخہ کے ساتھ ایک شائع شدہ نوٹس ہے جس کا ترجمہ یہ ہے: ''مترجم کا خیال ہے: مثال کے طور پر آنحضرت ﷺ نے کثرتِ کھجور کی زمین کی طرف ہجرت کرنا خواب میں دیکھا، تو آپ ﷺ اس سرزمین کو ''یمامہ'' یا ''ھجر'' سمجھا۔ جب کہ حقیقت میں اس اشارہ سے مراد مدینہ منورہ تھا۔ اسی طرح آپ نے خواب میں دیکھا کہ آپ ﷺ سر منڈوائے ہوئے اپنے اصحاب کے ساتھ مکہ میں داخل ہو رہے ہیں، تو آپ ﷺ نے یہ گمان کیا کہ اسی سال یہ واقع ہو کے رہے گا۔ حالانکہ حقیقت میں چند سالوں بعد اس معاملہ کا وقوع ہوا اور ان چیزوں کے واقع ہونے میں مومنوں اور منافقوں کو آزمایا گیا۔ واللہ اعلم'' ۵۰۔ امنیۃ سے مراد آرزووں کی مثال پیش کرنا ہے۔ امنیۃ قراءت کے معنی میں نہیں ہے۔ جیسا کہ کچھ مفسرین نے اس کی یہی تاویل کی ہے، تاکہ گڑھے ہوئے ہلاک کرنے والے غرانیق کے قصہ کی کوئی توجیہ وہ پا جائیں، مگر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شاہ صاحب نے واضح الفاظ میں اس کی تردید کی ہے۔ ان موضوع روایات کے معاملہ میں ان کا یہ منہج ایک صاف ستھرا، واضح اور عدل پر مبنی منہج ہے۔

نسخ کے سلسلہ میں شاہ صاحب کا موقف

نسخ کے سلسلہ میں شاہ صاحب کی اپنی ایک خاص رائے ہے۔ انھوں نے ان تمام آیات کا استقصاء کیا ہے، جن کے منسوخ ہونے کا حکم امام سیوطی نے امام ابوبکر ابن العربی سے نقل کیا ہے۔ منسوخ آیات کی تعداد ۲۱ ؍ رہیں۔ صرف ۱۹ ؍ آیات کے منسوخ ہونے میں سیوطی نے ابن العربی سے موافقت کی ہے۔ ان ۱۹ ؍ آیات کو منسوخ کیے جانے کے دعوی پر تفصیلی بحث کے بعد صرف پانچ آیات کے منسوخ ہونے کے دعویٰ کو انھوں نے قبول کیا ہے۔ بقیہ آیات میں منسوخ کے دعوی کی انھوں نے تردید کی ہے۔ وہ پانچ آیات درج ذیل ہیں:

۱- كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِن تَرَكَ خَيْراً ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالأَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوفِ حَقّاً عَلَى الْمُتَّقِيْنَ (البقرہ/۱۸۰)۔ یہ آیت اس آیت: يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ (النساء/۱۱) اور اس حدیث ”لاوصية لوارث“ سے بھی منسوخ ہے۔

۲- وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُوْنَ أَزْوَاجاً وَصِيَّةً لِّأَزْوَاجِهِم مَّتَاعاً إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ (البقرہ/۲۴۰)۔ امام سیوطی نے نقل کیا ہے کہ یہ آیت ”أربعة أشهر وعشرا“ سے منسوخ ہے۔ وصیت میراث سے منسوخ ہے۔ رہائش کا انتظام (سکنی) کچھ مفسرین کے نزدیک باقی ہے اور دوسرے مفسرین کے نزدیک ”لاسكنى“ والی حدیث سے منسوخ ہے۔ اس کے بعد انھوں نے صرف جزوی نسخ کے دعوی کو قبول کیا ہے اور ”الحول“ کو ”أربعة أشهر وعشرا“ سے منسوخ قرار دیا ہے۔ ان کے علاوہ میں انھوں نے منسوخ کو قبول نہیں کیا ہے۔ جیسا کہ جمہور مفسرین کے نزدیک یہ آیت منسوخ ہے۔ اس کا بھی امکان ہے کہ اس آیت کے حکم کو مستحب قرار دیا جائے یا میت کے لیے وصیت کو جائز سمجھا جائے اور عورت کو اس عمل پر مجبور نہیں کیا جاسکتا ہے کہ وہ وصیت کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مطابق ہی سکونت اختیار کرے۔ حضرت ابن عباسؓ کا بھی یہی مسلک ہے اور ظاہری آیت کی یہی توجیہ کی جاسکتی ہے۔

۳- ارشاد باری تعالیٰ ہے: إِن يَكُن مِّنكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ وَإِن يَكُن مِّنكُم مِّائَةٌ يَغْلِبُوا أَلْفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا (الانفال/۶۵)۔ یہ آیت اپنے بعد والی آیت سے منسوخ ہے۔

۴- ارشاد خداوندی ہے: لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِن بَعْدُ وَلَا أَن تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ أَزْوَاجٍ (الاحزاب/۵۲)۔ یہ آیت اس آیت: يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ اللَّاتِي آتَيْتَ أُجُورَهُنَّ (الاحزاب/۵۰) سے منسوخ ہے۔ جب کہ یہ آیت تلاوت میں مقدم ہے۔

۵- اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ فَقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَةً (المجادلہ/۱۲)۔ یہ آیت اپنے بعد والی آیت سے منسوخ ہے[۵۱]۔

فتح الرحمٰن بترجمۃ القرآن میں ناسخ و منسوخ کا یہی طریقہ اختیار کیا گیا ہے اور یہ کوشش کی گئی ہے کہ آیت کو کسی ایسی چیز پر محمول کیا جائے جس سے نسخ کا چیلنج ختم ہو جائے۔ ناسخ و منسوخ کی مزید وضاحت کے لیے چند مثالیں پیش کی جارہی ہیں۔ مثال کے طور پر ارشاد خداوندی ہے: وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ (البقرہ/۱۸۴) یہ آیت محکم ہے۔ عام مفسرین کی مختلف توجیہات کی وجہ سے اس آیت کو منسوخ نہیں کیا جا سکتا ہے۔ شاہ صاحب کے نزدیک اس آیت میں ''فدیہ'' سے ''صدقۃ الفطر'' مراد ہے۔ روزہ اور اس کے فدیہ میں اختیار کو مراد نہیں مانا جاسکتا ہے۔ مزید وہ فرماتے ہیں: ''بندہ فقیر کے نزدیک اس آیت سے مراد صدقۂ فطر ہے۔ اب اس کا مفہوم یہ ہوگا: جو لوگ ایک مسکین[۵۲] کو کھانا کھلانے کی طاقت رکھتے ہیں۔ ایک مسکین کو اس کی ضرورت کے بقدر کھانا کھلانا ان لوگوں پر واجب ہے۔ اس لیے کہ ذکر سے پہلے ایک ضمیر کو پوشیدہ مانا جائے گا، کیونکہ وہ مرتبہ[۵۳] میں مقدم ہے[۵۴]۔ ضمیر کے ذکر سے یہ پتہ چل رہا ہے کہ فدیہ ہی کھانا ہے[۵۵]۔ اسی وجہ سے انھوں نے اس آیت کے محکم ہونے کا حکم لگایا ہے، جب کہ عام مفسرین نے ان کے اس توجیہ کی مخالفت کی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آیات کی فقہی ترجمانی وتشریح وتوضیح

شاہ صاحب کا ایک منہج یہ بھی ہے کہ اپنے ترجمہ اور نوٹس کے درمیان فقہی توجیہات کی بھی نشاندہی کرتے ہیں۔ یہ فقہی توجیہات مختلف قسم کی ہوتی ہیں، کچھ فقہی توجیہات فقہی مسالک کے موافق ہوتی ہیں اور کچھ ان کی اپنی توجیہ ہوتی ہے۔ اس آیت کے ضمن میں: وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ (البقرہ/۱۸۴) کی توضیح اوپر گذر چکی ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا (النور/۳۱)۔ اس آیت کے ترجمہ میں فقہی توجیہ موجود ہے۔ ترجمہ: ''وبگوزنان مسلمان راکہ بپوشند چشمِ خود را، ونگاہ دارند شرمگاہِ خود را، وآشکارنہ کنند آرائش خود را (ودر تعلیق گفتہ است: یعنی مواضع زیور) مگر آنچہ ظاہر است از آں مواضع ۵۶'' یعنی آپ ﷺ کہہ دیجیے مؤمنہ عورتوں سے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اور اپنے شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی آرائش وزیبائش کو ظاہر نہ کریں (نوٹس میں کہا گیا ہے: آرائش وزیبائش کی جگہوں کو) سوائے ان جگہوں کے جو ظاہر ہو جائے۔

اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا کی تفسیر میں مفسرین کے تین اقوال ہیں:

پہلا: ابن مسعودؓ نے زیب وزینت سے کپڑا مراد لیا ہے۔

دوسرا: ابن عباسؓ اور المسور ابن مخرمہ کی رائے میں اس کا مطلب سرمہ اور انگوٹھی جیسی زیب وزینت ہے۔

تیسرا: الحسن، ابن جبیر اور کچھ دیگر علماء کہتے ہیں کہ اس کے مفہوم میں چہرہ اور دونوں ہتھیلیاں شامل ہیں ۵۷۔ شاہ صاحب نے ان اقوال ثلاثہ سے تیسرے قول کو اختیار کیا ہے کہ ظاہری زیب وزینت کی جگہوں میں سے چہرہ اور دونوں ہتھیلیاں مراد ہیں۔ اسی وجہ سے انھوں نے اس مختلف فیہ مسئلہ میں مسلکِ حنفی کو راجح قرار دیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: الزَّانِیُ لَا یَنکِحُ إِلَّا زَانِیَةً أَوْ مُشْرِکَةً وَالزَّانِیَةُ لَا یَنکِحُهَا إِلَّا زَانٍ أَوْ مُشْرِکٌ وَحُرِّمَ ذَلِکَ عَلَی الْمُؤْمِنِینَ (النور/۳) اس آیت کے ترجمہ پر اس طرح نوٹس چڑھائے گئے ہیں: مترجم کہتے ہیں: ''اس آیت کریمہ سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ زانیہ کا نکاح جائز نہیں ہے۔ امام احمد ابن حنبلؒ کا یہی مسلک ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعی میں اس آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ یعنی (شرک و زنا) کو مؤمنین پر حرام کر دیا گیا ہے۔ یا یہ کہا جائے کہ یہ آیت ایک مخصوص گروہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ یا یہ کہ یہ آیت منسوخ ہے۵۸۔ اس نوٹس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ زانیہ عورت جس سے زنا کا صدور ہو چکا ہے، اس کے نکاح کرنے کی حرمت میں شاہ صاحب کے نزدیک حنبلی مسلک راجح ہے اور وہ یہ ہے کہ زانیہ کا نکاح جائز نہیں ہے اور ظاہری آیت کا بھی یہی مفہوم ہے۵۹''۔

ارشادِ خداوندی ہے: وَلَا یُبْدِینَ زِینَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَائِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِی إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِی أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَائِهِنَّ (النور/۳۱) اس آیت کے ترجمہ کے دوران فقہی توجیہ کی مثالیں، ''نسائھن'' کے مفہوم میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ کچھ مفسرین کا خیال ہے کہ: ''نسائھن'' سے مراد وہ خاص عورتیں ہیں جن سے صحبت کی جاتی ہے اور خادمہ ہیں، کیوں کہ کافر عورتوں کے لیے اپنی زینت کو مردوں کے لیے ظاہر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ یہ عورتیں اپنی زینت کو ظاہر کرنے میں اجنبی مردوں کے مانند ہیں۔ ذمیہ اور اس کے علاوہ میں بھی کوئی فرق نہیں ہے۔ اکثر سلف مفسرین کا یہی مسلک ہے۔ امام رازی کے نزدیک ''نسائھن'' کے مفہوم میں بلا کسی قید و بند کے تمام عورتوں کو شامل کیا ہے۶۰۔

شاہ صاحب نے اس آخری مفہوم کو اختیار کیا ہے۔ ان کی رائے یہ ہے کہ ''نسائھن'' کے مفہوم میں تمام پاک دامن عورتیں شامل ہیں، خواہ وہ مسلمہ ہوں یا کافرہ ہوں، وہ کہتے ہیں: آیت میں لفظ ''او نسائھن'' میں ان کے قائدانہ رول سے احتراز کرتا ہوں، کیونکہ یہ مخنث کا گھروں سے نکالنے سے ماخوذ ہے، اس لیے کہ اس میں فتنۂ قیادت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے خوف کا سبب ہے۔ یہ علت یہاں بھی موجود ہے، نہ کہ صرف کافرہ عورتوں میں ہے، کئی حدیثوں سے اس بات کی صراحت بھی ملتی ہے کہ ازواج مطہرات کے پاس یہودیہ اور کافرہ عورتیں آتی تھیں اور ان کو منع نہیں کیا جاتا تھا۔ یہ ایک اچھی تاویل ہے جس کی مجھے توفیق ملی ہے۔ سب تعریفیں تو اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں[۶۱] یہ ایک انوکھی تاویل ہے۔ ان کی اس طرح کی فقہی توجیہ مختلف قسم کی اور بہت سی ہیں، لیکن ہم انھیں چند مثالوں پر اکتفا کرتے ہیں، کیونکہ ان کا مقصود حاصل ہو چکا ہے۔

آیات کے درمیان مناسبات کو بیان کرنے کا اہتمام

شاہ صاحب کے ترجمۂ قرآن کریم پر جابجا ان کے مختصر نوٹس کی خصوصیات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ دورانِ ترجمہ انھوں نے چند جگہوں میں آیاتِ قرآنی کے درمیان مناسبات و روابط کو بیان کرنے کا اہتمام کیا ہے۔ خاص طور سے ان جگہوں میں جہاں آیات کے درمیان واضح طور پر ربط کا پتہ نہیں چل پاتا ہے۔ ان مناسبات و روابط کی مثالیں بہت ہیں، جیسا کہ شاہ صاحب نے اس آیت پر نوٹس چڑھایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حَافِظُواْ عَلَى الصَّلَوَاتِ والصَّلوٰةِ الْوُسْطٰى وَقُومُواْ لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ (البقرہ/ ۲۳۸) اس آیت پر حاشیہ میں انھوں نے بیان کیا ہے: ''اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو اولاد وازواج کے احکام ومسائل کے تعلق سے یہ احساس دلاتے ہوئے ذکر کیا ہے کہ اِن لوگوں کو اُن کے دیکھ ریکھ کی مشغولیت نماز سے غافل نہ کردے، جیسا کہ زاہدی اور بیضاوی نے ذکر کیا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مکلّف بندوں کے لیے دین ویقین کے شعائر کو بیان کرنے کے بعد نماز کا ذکر کیا، تاکہ دل کے اندر عاجزی وانکساری پیدا ہو[۶۲]''۔ سب سے پہلے انھوں نے زاہدی و بیضاوی کے بیان کردہ مناسبات و روابط کو نقل کیا ہے، مگر ان کو اس پر اطمینان نہیں ہوا، تو اپنی طرف سے انھوں نے مناسبات کو ذکر کرنا شروع کردیا، جیسا کہ ابھی ہم نے دیکھا۔ مناسبت ایک ایسا علم ہے جس میں مفسرین کے نظریے مختلف ہیں۔ اس کا بھی امکان ہے کہ آیت کے سیاق وسباق کی وجہ سے ایک سے زیادہ مناسبات ہوں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس ضمن میں ایک اور مثال دی جا رہی ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے: يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَن يَشَاءُ ۚ وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ (البقرہ/۲۶۹)۔ اس آیت کی مناسبت میں انھوں نے سابقہ اور لاحقہ دونوں کا ذکر کیا ہے: ''اس آیت میں جب کہ خرچ کرنے کے مسائل کا بیان چل رہا ہے، بیچ میں یہ بیان ہو رہا ہے کہ علم کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے۔ یہاں علم سے مراد پڑھنا پڑھانا ہے، جیسے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''غیر نفع بخش علم کی مثال اس خزانہ کی طرح ہے جس کو خرچ نہ کیا جائے، کیونکہ انفاق و فرائض کا جاننا اور اس پر عمل کرنا تمام مسلمانوں پر فرض ہے، یہی توجیہ دل کو بھاتی ہے''۶۳۔

مختصر یہ کہ شاہ صاحب کے ترجمۂ قرآن کی یہ چند خصوصیات تھیں جنہیں اوپر چند مثالوں سے واضح کیا گیا۔ اس ترجمۂ قرآن مجید میں زیادہ تر ان چیزوں کا خیال رکھا گیا ہے، جن کی ضرورت دورانِ ترجمہ قاری کو پڑ سکتی ہے۔ یہ بہت ہی دور رس نتائج پر مبنی ترجمہ ہے، جس میں مترجم نے قواعد ترجمہ اور اصول تفسیر کا انتہائی درجہ کی رعایت کی ہے۔ یہ کوئی لفظی ترجمہ نہیں ہے۔ جیسا کہ کچھ لوگوں کا دعویٰ ہے، بلکہ یہ حاصل شدہ مفہوم کا ترجمہ ہے۔ یا پھر اس کو تفسیری ترجمہ کہا جا سکتا ہے، مگر قرآن کریم میں غور و فکر اور فارسی زبان میں کلام پاک کے معانی کو منتقل کرنے میں احتیاط کا پہلو ان پر اس قدر غالب ہے کہ کہیں کہیں ترجمہ کی سلاست و روانی ناپید ہوگئی ہے۔ اس کے باوجود شاہ صاحب کے زمانے کے ہندوستان میں رائج فارسی زبان کے سب سے بہتر نثری نمونوں میں اس ترجمہ کا شمار ہوتا ہے، جب کہ آج کے اعتبار سے چند غیر رائج تعبیرات بھی اس میں موجود ہیں۔ اس وجہ سے یہ مناسب ہے کہ اس ترجمۂ قرآن کو اسی طرح محفوظ رکھا جائے جس طرح وہ مرتب کیا گیا ہے۔ اس کی صحت کو موضوع بحث بنا کر اس میں کسی طرح کی کوئی تبدیلی کرنا مناسب نہیں ہے، کیونکہ اس صورت میں اس کے معانی و مفاہیم کی ہمیشگی اور اس کی خصوصیات کے مفقود ہونا کا خطرہ ہے۔ وسبحانک اللهم وبحمدک نشهد أن لا إله إلا أنت نستغفرک ونتوب إليک۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حواشی ومراجع

۱۔ شاہ صاحبؒ نے اپنی کتاب ''التفہیمات الالٰہیۃ'' میں اپنا نام اس طور پر درج کیا ہے: ''شیخ الاسلام قطب الدین احمد معروف ومشہور بہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی''

۲۔ انفاس العارفین، مطبع احمدی، دہلی، بدون تاریخ، ص ۵۲

۳۔ انفاس العارفین، ص ۵۲

۴۔ إنسان العین فی مشائخ الحرمین، الانتباہ فی سلاسل الاولیاء۔ ان دونوں کتابوں کا ذکر ''انفاس العارفین'' میں موجود ہے، ص ۱۷۸-۱۹۲؛ شیخ رحیم بخش دہلوی، حیات ولی، مکتبہ سلفیہ، لاہور۔

۵۔ شاہ ولی اللہ دہلوی، الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، کراچی، ص ۸۱

۶۔ احمد خاں، ترجمۂ قرآن کریم میں شاہ ولی اللہ کے اصول ومناہج، خدا بخش لائبریری جرنل، شمارہ نمبر ۱۱۵، مارچ ۱۹۹۹ء، ص ۲

۷۔ احمد خاں، خدا بخش لائبریری جرنل، محولہ بالا، ص ۲۱-۲۲

۸۔ خدا بخش لائبریری جرنل، محولہ بالا، ص ۲۳

۹۔ شاہ صاحب نے نظم قرآنی سے اس بات کی طرف اشارہ کرنا چاہا ہے کہ ہمارے زمانے کے بچے سات سال کی عمر میں مسجد میں جا کر مفرد ومرکب عربی حروف تہجی اور اس کی ادائیگی سیکھ لیتے تھے، اس کے بعد کلام پاک اس کی قراءت وتلفظ کے ساتھ مکمل کرتے تھے۔

۱۰۔ ایسے غیر مانوس اور غیر معروف ومشہور الفاظ کے استعمال کرنے سے پرہیز کرنا جن کا سمجھنا عام لوگوں کے لیے دشوار ہے۔

۱۱۔ اگر کسی آیت کو قریب قریب چند احتمالات پر محمول کیا گیا ہے، تو پہلے کو ترجمہ میں اور دوسرے احتمال کو اس مختصر نوٹس میں جگہ دی گئی ہے، جس کو ترجمہ کی فہرست میں شاہ صاحب نے ذکر کیا ہے، کیونکہ ان نوٹس کے تعلق سے ان کا یہی منہج رہا ہے۔

۱۲۔ شاہ صاحب نے مختلف آیات میں حتی الامکان روابط واضح کرنے کی کوشش کی ہے، ترجمہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں کہیں کہیں انھوں نے مختصر نوٹس بھی لگا دیا ہے۔

۱۳۔ یہ تمام عبارت ڈاکٹر احمد خاں کے مقالہ میں موجود ہیں، جو خدا بخش لائبریری جرنل، (شمارہ نمبر ۱۱۵، ص ۲۱-۳۱) میں شائع ہو چکا ہے۔

۱۴۔ شاہ صاحب کا ''مقدمہ فی قوانین الترجمہ'' تصحیح: احمد خان، خدا بخش لائبریری جرنل، شمارہ نمبر ۱۱۵، ص ۱۱-۲۰

۱۵۔ امام نوویؒ، المجموع شرح المهذب، مطبع در الفکر، بیروت، ۳/۳۸۰

۱۶۔ اسی وجہ سے مترجمین کو شاذ و نادر الفاظ و تراکیب مجبوراً اختیار کرنی پڑتی ہیں۔

۱۷۔ مصدر سابق، شاہ ولی اللہ دہلویؒ، المقدمہ فی قوانین الترجمہ، خدا بخش لائبریری جرنل، ص ۱۱

۱۸۔ حوالہ سابق، ص ۱۲

۱۹۔ حوالہ سابق

۲۰۔ حوالہ سابق

۲۱۔ ولی اللہ دہلویؒ، الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، ص ۸۰

۲۲۔ فتح الرحمٰن بترجمۃ القرآن، ص ۴۵

۲۳۔ فتح الرحمٰن بترجمۃ القرآن، شاہ فہد قرآن پرنٹنگ کمپلکس، مدینہ منورہ، ص ۱۴

۲۴۔ مجد الدین فیروز آبادی، القاموس المحیط، لفظ ''بقرۃ'' کے حوالہ سے رجوع کیجیے

۲۵۔ فتح الرحمٰن بترجمۃ القرآن، ص ۴۳

۲۶۔ فتح الرحمٰن بترجمۃ القرآن، ص ۸۰

۲۷۔ فتح الرحمٰن بترجمۃ القرآن، ص ۲۴۷

۲۸۔ البقرہ/۵۱، اس آیت کے نوٹس میں مفعول کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، النساء/۱۵۳

۲۹۔ فتح الرحمٰن بترجمۃ القرآن، ص ۴۱۸

۳۰۔ فتح الرحمٰن بترجمۃ القرآن، ص ۳۸

۳۱۔ فتح الرحمٰن بترجمۃ القرآن، ص ۴۷۴

۳۲۔ فتح الرحمٰن بترجمۃ القرآن، ص ۶۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳۳۔ مثال کے لیے دیکھیے تفسیر بغوی، تحقیق محمد عبداللہ النمر ر، عثمان جمعہ ضمیریہ و سلیمان مسلم الحرش، دار طیبہ نشر و اشاعت، ۱۴۱۲ھ/ ۱۹۹۷ء، ج ۴، ص ۴۲۸، تفسیر نسفی، ج ۴، ص ۳۰۳

۳۴۔ بہت سے مفسرین نے السائحون سے الصائمون مراد لیا ہے۔ اگر ان لوگوں نے "المهاجرون"، "الغزاة المجاهدون" اور "طلبة العلم" جیسے الفاظ کے معانی کا بھی اس لفظ کے ضمن میں ذکر کیا ہے، تفسیر بغوی، ۲/ ۳۳۰، تفسیر بیضاوی، ۳/ ۱۷۵، تفسیر قرطبی، ۸/ ۲۶۹، تفسیر ابن کثیر، ۲/ ۳۹۳، تفسیر ابوسعود، ۴/ ۱۰۶

۳۵۔ مفسرین نے "سائحات" سے "صائمات" اور "مهاجرات" دونوں ہی مراد لیا ہے۔ دیکھیے: تفسیر بیضاوی: ۵/ ۳۵۷، تفسیر قرطبی: ۸/ ۱۹۳، تفسیر ابن کثیر: ۴/ ۳۹۱ تفسیر نسفی: ۴/ ۲۶، تفسیر جلالین: ص ۷۵۲ وغیرہ۔

۳۶۔ فتح الرحمٰن بترجمۃ القرآن، ص ۴۵

۳۷۔ فتح الرحمٰن بترجمۃ القرآن، ص ۲۹۹-۳۰۰

۳۸۔ فتح الرحمٰن بترجمۃ القرآن، ص ۸۶۰

۳۹۔ فتح الرحمٰن بترجمۃ القرآن، ص ۶۸۴-۶۸۵

۴۰۔ فتح الرحمٰن بترجمۃ القرآن، ص ۴۶-۴۷

۴۱۔ فتح الرحمٰن کے مطبوعہ نسخہ کے ساتھ غیر مطبوعہ حواشی، مطبوعہ حواشی سے بہت زیادہ مختلف ہیں۔ اس میں عربی زبان کے الفاظ کی بھی کثرت ہے۔ ترجمۂ قرآن کریم میں شاہ صاحب کے اصول و مناہج کے عنوان سے خدا بخش اورینٹل لائبریری جرنل کے شمارہ نمبر ۱۱۵، ص ۳۴، مارچ ۱۹۹۹ء میں ڈاکٹر احمد خاں صاحب کے اہتمام سے یہ نوٹس شائع ہو چکے ہیں۔ دراصل یہ مقالہ شاہ صاحب کے تین مختصر رسائل کا مجموعہ ہے، پہلا: المقدمہ فی فن الترجمہ، دوسرا: مقدمہ فتح الرحمٰن، تیسرا: تعلیقات شاہ ولی اللہ الدہلوی علی ترجمۃ للقرآن الکریم المسماۃ ب: فتح الرحمٰن بترجمۃ القرآن

۴۲۔ ان تمام معانی و مفاہیم کے لیے دیکھیے: تفسیر قرطبی، ۳/ ۱۶، تفسیر ابوالسعود: ۱/ ۲۱۱، تفسیر بغوی: ۱/ ۱۸۰، ابن جوزی کی تفسیر زاد المسیر، مکتبۂ اسلامی، بیروت، ۱۴۰۴ھ، ۱/ ۲۲۱ اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیکھیے: محمود الآلوسی کی روح المعانی، ۲/ ۹۵

۴۳۔ فتح الرحمٰن بترجمۃ القرآن، ص ۴۴۷

۴۴۔ فتح الرحمٰن بترجمۃ القرآن، ص ۳۷۰

۴۵۔ فتح الرحمٰن بترجمۃ القرآن کے مطبوعہ نوٹس، ص ۳۷۰

۴۶۔ صیغۂ جمع استعمال کیا گیا ہے، اگرچہ تثنیہ مراد ہے

۴۷۔ تفسیر قرطبی: ۷/ ۳۳۹

۴۸۔ مقدمہ فتح الرحمٰن بترجمۃ القرآن، خدا بخش لائبریری جرنل، شمارہ نمبر ۱۱۵

۴۹۔ خدا بخش لائبریری جرنل، شمارہ نمبر ۱۱۵، ص ۵۳

۵۰۔ فتح الرحمٰن بترجمۃ القرآن، ص ۴۹۳

۵۱۔ شاہ صاحب کی کتاب "الفوز الکبیر فی اصول التفسیر" ص ۳۷-۴۳ سے رجوع کیا جائے۔

۵۲۔ "یطیقونہ" کے ضمیر منصوب کا مرجع طعام مسکین کو مانا گیا ہے۔

۵۳۔ طعام مسکین مبتدا ہے اور "علی الذین یطیقونہ" اس کی خبر ہے، رتبتاً مبتدا خبر پر مقدم ہوتا ہے۔

۵۴۔ ضمیر مذکر کو ضمیر مؤنث سے بدلا گیا ہے، کیونکہ صدقۃ الفطر یا فدیۃ الفطر مؤنث ہے

۵۵۔ فتح الرحمٰن کے نوٹس، خدا بخش لائبریری جرنل، ص ۳۳-۳۴

۵۶۔ فتح الرحمٰن بترجمۃ القرآن، ص ۵۱۵

۵۷۔ دیکھیے زاد المسیر: ۶/ ۳۱، اس میں سات اقوال ذکر کیے گئے ہیں، ابوالحسن الماوردی کی کتاب "النکت والعیون" میں ان تینوں اقوال کا خلاصہ پیش کیا گیا ہے۔

۵۸۔ فتح الرحمٰن بترجمۃ القرآن، ص ۵۱۰

۵۹۔ فتح الرحمٰن کے نوٹس: خدا بخش لائبریری جرنل، شمارہ نمبر ۱۱۵، ص ۵۳-۵۴

۶۰۔ تفسیر ابن کثیر: ۳/ ۱۲۸۵ اور روح المعانی: ۱۸/ ۱۴۳ دیکھیے

۶۱۔ فتح الرحمٰن کے نوٹس: خدا بخش لائبریری جرنل، شمارہ نمبر ۱۱۵، ص ۵۴

۶۲۔ فتح الرحمٰن کے نوٹس: خدا بخش لائبریری جرنل، شمارہ نمبر ۱۱۵، ص ۳۶

۶۳۔ فتح الرحمٰن کے نوٹس: خدا بخش لائبریری جرنل، شمارہ نمبر ۱۱۵، ص ۳۶

© rasailojaraid.com